پنجاب میں
سلسلۂ چشتیہ
کی تجدید و اِرتقاء
حصّہ دوم
(اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں)
تصنیف
سید جمیل احمد رضوی
دارُالفیض گنج بخش
لاہور

پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید و اِرتقاء

(اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں)

(حصّہ دوم)

تصنیف

سید جمیل احمد رضوی

زیرِ نگرانی

ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی

دارُالفیض گنج بخش

لاہور

سلسلہ اشاعت نمبر ۶۸

عنوان کتاب	پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید و اِرتقاء (اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں) (حصّہ دوم)
تصنیف	سید جمیل احمد رضوی سابق چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
کمپوزنگ	ساجد محمود (۰۳۲۱_۴۳۱۰۴۸۶)
سن اشاعت	ربیع الاوّل ۱۴۴۱ھ/ ۱۷ نومبر ۲۰۱۹ء
ہدیہ	ایصالِ ثواب اُمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ملنے کے پتے

دارُالفیض گنج بخش

۵۵_حکیم محمد موسیٰ امرتسری روڈ، ریلوے روڈ (گوالمنڈی)، لاہور
موبائل نمبر: 0321-4148064,0300-4009874
حکیم محمد سلیم مرتضائی، مرتضائی دواخانہ، بالمقابل گورنمنٹ اسلامیہ کالج،
سرگودھا روڈ، فیصل آباد

حضرت شیخ سید علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ العزیز جنہوں نے برصغیر ہند میں ۱۰۴۱ تا ۱۰۷۱ عیسوی میں اسلامی تعلیمات کو پھیلایا۔ ان کا درِ فیض آج بھی کھلا ہوا ہے۔ نیاز مندانِ داتا گنج بخش اپنے دامن میں گوہرِ مراد بھر کر لے جاتے ہیں اور اپنی زبانِ قال و حال سے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

بفیضانِ نظر

لاہور کے مستور الحال درویش حکیم اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے عشقِ رسول کا علم تھامے رکھا، محبتِ رسول کی شمع کو روشن رکھا، فکرِ رضا کو ایک عالمی تحریک بنایا، کتاب کی خوشبو کو پھیلا کر علم و عرفان کو عوام و خواص تک پہنچایا۔ فیضِ موسوی آج بھی جاری ہے۔ تلاش و جستجو کے متوالے ان کے مخزنِ علم سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اعزاز

یہ کتاب حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ
کے بیسویں سالانہ عرس مبارک
ربیع الاوّل ۱۴۴۱ھ/ ۱۷ نومبر ۲۰۱۹ء
کے موقع پر تقسیم کی جا رہی ہے

انتساب

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء) کے نام
جن کی کتاب دوستی اور علم پروری کا جذبہ آج تک توانا ہے۔ اس کا ثبوت ان کا وہ ذخیرۂ کتب ہے جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں محفوظ ہے۔ اس ذخیرے میں اب تک قریباً چودہ ہزار سے زیادہ کتابیں جمع ہو چکی ہیں جو علم کی روشنی پھیلا رہی ہیں۔ تلاش کرنے والے کو اس کا گوہر مراد مل جاتا ہے۔ اس ذخیرہ میں کتابوں کو بطور عطیہ دینے کی روایت زندہ ہے۔ اس کا سہرا میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی ضیائی اور میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی کے سر ہے، جنہوں نے مطب موسوی کی روایت کو زندہ رکھا ہے۔

فہرست مضامین

مقدمہ

زیرحوالہ کتاب ''پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید و ارتقاء'' (اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی مین) کا دوسرا حصہ ہے۔ اس کا پہلا حصہ ۲۰۱۷ء میں دارالفیض گنج بخش لاہور کی جانب سے شائع ہوا۔ اس وقت دوسرے حصے کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہا گیا تھا کہ یہ ضرور شائع ہوگا۔ راقم السطور کے ذہن میں یہ بات ضرور تھی کہ شاید اس کا دوسرا حصہ بھی اشاعت پذیر ہوگا۔ اس کا ذکر میں نے صاحبزادہ میاں زبیر احمد قادری ضیائی سے بھی کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر ایسا ہوگا تو اس کی بھی شاید ہم ہی شائع کریں۔ چنانچہ وہ اس حوالے سے پوچھتے بھی رہے۔ لیکن ہر کام کا ایک وقت معین ہوتا ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۹واں عرس ۱۸ نومبر ۲۰۱۸ء کو منعقد ہوا۔ اس سے چند ماہ پہلے بھی میاں صاحب نے اس کام کے بارے میں پوچھا۔ میں نے کہا کہ یہ کام بوجوہ ابھی تک نہیں ہوسکا۔

میں سوچتا رہا کہ نو سال چار ماہ (از ستمبر ۲۰۰۴ء تا دسمبر ۲۰۱۳ء) جس کام پر صرف کیے گئے ہوں اور اس کا دوسرا حصہ شائع نہ ہو یہ بات افسوس ناک ہوگی۔ جیسا کہ حصہ اول کے مقدمے میں لکھا گیا ہے کہ ڈاکٹر ساجدہ علوی صاحبہ (پروفیسر امیریطس، میکگل یونیورسٹی مانٹریال، کینیڈا) نے اپنی صحت کی بنا پر اس کام کو حتمی شکل دینے میں معذوری کا اظہار کیا تھا اور مجھے کہا تھا کہ آپ اُردو میں ایک مختصر کتاب تیار کریں اور اس کو چھپوا دیں۔ الحمدللہ میں نے اس کام کو اُردو میں حتمی شکل دی اور وہ منظر عام پر آ گیا۔

مارچ ۲۰۱۸ء کے شروع میں ڈاکٹر صاحبہ کینیڈا سے لاہور تشریف لائیں، ان کے ساتھ ان کے شوہر ڈاکٹر صابر علوی صاحب بھی آئے۔ میری ان سے ۵ مارچ کو تفصیلی ملاقات ہوئی۔ گفتگو کے دوران میں نے ڈاکٹر صاحبہ کو بتایا کہ مذکورہ بالا موضوع کے بارے میں مَیں نے ایک مقالہ لکھا جو شائع ہو چکا ہے۔ اس مقالے کا عنوان یہ ہے: اٹھارویں اور انیسویں صدی کا

پنجاب: سلسلۂ چشتیہ کی تجدید و ارتقاء اور لنگر کی روایت۔ یہ ششماہی مجلہ بعنوان: تحصیل کراچی کے پہلے شمارے میں شائع ہوا ہے۔[1] اس کا میں نے ایک آف پرنٹ بھی ان کو پیش کیا۔

علاوہ ازیں میں نے ان کو یہ بھی بتایا کہ ایک اور مقالے کا خاکہ بھی تیار کرلیا گیا ہے۔ اس کا عنوان ہے: پنجاب میں قیام مدارس۔ ان کا نصاب اور مالی وسائل (اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں)۔ لیکن اس مقالے پر مزید کام جاری نہ رہ سکا۔ میں نے ڈاکٹر صاحبہ کو بتایا کہ اگر اس کتاب کا دوسرا حصہ شائع ہوتا ہے تو آپ کا نام بحیثیت مصنف اس کے عنوانی صفحہ (Title page) پر آئے گا اور میرا پہلے کی طرح شریک مصنف (Joint author) کی حیثیت سے ہوگا، لیکن ڈاکٹر صاحبہ نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ یہ آپ کا کام ہے اور اس کو آپ ہی کررہے ہیں۔ اس لیے میرا نام بحیثیت مصنف ہرگز نہ دیں۔ ڈاکٹر صاحبہ اور ان کے شوہر دونوں ۱۵ مارچ ۲۰۱۸ء کو واپس کینیڈا چلے گئے۔ میں اس امر کے بارے میں غور و فکر کرتا رہا۔

تحقیق میں دیانت کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اس کے پیش نظر کافی سوچ کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ چشتیہ سلسلہ کے اس موضوع پر ہزاروں صفحات پر مشتمل رپورٹس (Reports) کی عکسی نقول میرے پاس موجود ہیں۔ ایسا ڈاکٹر صاحبہ کے مشورہ ہی سے کیا گیا تھا۔ ان رپورٹس (Reports) کی تیاری محترمہ کی راہنمائی میں ہوئی تھی، اس پر قریباً دس سال کی مدت صرف ہوئی تھی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحبہ کے ساتھ خط و کتابت بھی بذریعہ ای میل (E-mail) جاری رہی، یہ بھی سات ضخیم جلدوں سے زیادہ ہے۔ اس سارے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا کہ سرورق پر بحیثیت مصنف تو میرا نام ہوگا، اس کے ساتھ یہ بھی لکھا جائے گا: زیرنگرانی ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی۔ اس طرح میرے ضمیر کو تسکین بھی ہوگی اور تحقیق میں دیانت کا تقاضا بھی پورا ہوجائے گا۔

وقت گزرتا رہا لیکن طبیعت اس کام کی جانب مائل نہیں ہوتی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، ذہن اس جانب مائل ہوا۔ نومبر ۲۰۱۸ء میں کام شروع کر دیا گیا۔ اس حصے میں

---

[1] سید جمیل احمد رضوی، اٹھارویں اور انیسویں صدی کا پنجاب: سلسلہ چشتیہ کی تجدید و ارتقاء اور لنگر کی روایت، مشمولہ تحصیل، کراچی، جلد ۱، شمارہ ۱ (جولائی۔دسمبر ۲۰۱۷ء) ۱۱۵۔۱۳۴

پہلا مضمون قیام مدارس، ان کے نصاب اور مالی وسائل سے متعلق ہے۔ مغربی مؤرخین نے کہا ہے کہ پنجاب میں اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں تعلیم عام نہ تھی۔ [۱] اس کے علاوہ "Ernest & Bruce" نے اپنی کتاب "Sufi Martyrs of Love" میں لکھا ہے کہ پنجاب کے بارے میں ہمیں بنیادی مآخذ دستیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے ہم پنجاب کا پوری طرح احاطہ (Cover) نہ کر سکے۔ [۲]

ان افکار کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے بنیادی مآخذ کی تلاش شروع کی تو ہمیں بہت سے علمی خزانے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صورت میں مل گئے۔ ان کو سامنے رکھ کر تحقیق کا آغاز شروع کر دیا گیا تھا۔ دوسرا نکتہ پنجاب میں تعلیم کے عام نہ ہونے کا تھا۔ اس کے متعلق جب تحقیق کی گئی تو اس ماڈل یا نظریے کی تردید بھی ہوتی ہے۔ سکھ اور برطانوی راج سے پہلے پنجاب میں اسلامی مدارس کا ایک وسیع نظام موجود تھا۔ اس کا اعتراف بعض مغربی مؤرخین نے بھی کیا ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس پہلے مقالے کے موضوع پر مقدمہ میں بھی کچھ تفصیل دی جاتی ہے۔ اُس وقت پنجاب میں لاہور اور ملتان دو علمی مراکز تھے۔ ان دونوں شہروں میں متعدد اسلامی مدرسے موجود تھے جن میں طلبہ مروجہ علوم کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان مدارس میں بہت فاضل اور قابل اساتذہ موجود تھے جو علم کی روشنی پھیلانے میں مصروف رہتے تھے۔ چند معروف مدارس کے نام (مع مقامات) لکھے جاتے ہیں: مسجد وزیر خاں اور اس کا مدرسہ، بادشاہی مسجد کا مدرسہ، درس میاں وڈا، مدرسہ میانی صاحب، مدرسہ خیر گڑھ (گڑھی شاہو/شیخو گڑھی)، مدرسہ ابوالحسن خاں تربتی (اس وقت یہ ریلوے اسٹور کی چار دیواری میں گھرا ہوا ہے)، درس دائی لاڈو، درس حافظ روح اللہ لاہوری، مسجد نیلہ گنبد کا مدرسہ، عید گاہ جہانگیری (اس کے ساتھ ایک مدرسہ بھی تھا)، مسجد چیدیاں والی (واقع محلہ چابک سواراں)، مسجد موراں طائف، یہاں مدرسہ بھی تھا۔

---

[۱] ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی (و) سید جمیل احمد رضوی، پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کی تجدید و ارتقاء (اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں)، ص ۱۳، (حصہ اوّل)، دارالفیض گنج بخش، لاہور ۲۰۱۷ء

[۲] ایضاً، ص ۱۳، (حصہ اوّل)

ان مساجد اور مدارس کو سکھ راج میں نقصان پہنچا۔ بعض امتدادِ زمانہ سے ختم ہو گئے۔ [۱]

یہاں صرف مسجد وزیر خاں کا نہایت مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ علوم و فنون کا مرکز بھی تھی۔ محمد عبداللہ قریشی نقوش لاہور نمبر (۱۹۶۲ء) میں لکھتے ہیں:

اس مسجد کے بانی حکیم علیم الدین انصاری الملقب بہ نواب وزیر خاں تھے جو چنیوٹ کے رہنے والے تھے۔ وہ عربی اور فلسفہ کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد طبابت کی جانب متوجہ ہوئے اور اس فن میں کمال حاصل کر کے شاہجہانی دربار میں پہنچے، جہاں سے ترقی کر کے پہلے دیوان بیوتات اور پھر نواب وزیر خاں کا لقب حاصل کر کے پنجاب کے گورنر مقرر ہو گئے۔ انہیں رفاہ عامہ کے کاموں سے خاص دلچسپی تھی...... وزیر آباد بھی ان کا بسایا ہوا ہے۔ نواب وزیر خاں کی سب سے بڑی قابل ذکر یادگار مسجد وزیر خاں ہے۔ یہ رفیع الشان مسجد ہندی ایرانی طرزِ تعمیر کا بہترین نمونہ اور شہرِ لاہور کا زیور ہے۔ یہ دہلی دروازہ کے اندر چوک وزیر خاں میں واقع ہے۔ اس کی بنیاد ۱۰۴۴ھ/ ۱۶۳۴ء میں سید محمد اسحاق بن شہریار گازرونی عرف میراں بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر رکھی گئی تھی۔ حضرت میراں بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ فیروز تغلق کے عہد میں وارد لاہور ہوئے۔ آپ کا وصال ۷۸۶ھ/ ۱۳۸۴ء میں ہوا، مگر آپ کی وفات کے قریباً اڑھائی سو سال بعد مسجد کی تعمیر کے وقت آپ کا مزار اس ترکیب سے پختہ کر دیا گیا کہ مسجد کے عین وسط میں حوض کے متصل آپ کی دوہری قبر تیار ہو گئی۔ اوپر نقلی مزار ہے لیکن مسجد کے فرش سے دس چھوٹی سیڑھیاں اتر کر اصل قبر ایک بلند چبوترے پر دکھائی دیتی ہے۔ [۲]

اس مسجد کے امام بہت فاضل اور عالم تھے۔ ان میں سے دو مدرسین کا ذیل میں مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلے مولوی محمد صدیق لاہوری (م قریباً ۱۷۷۸ء) ہیں۔ یہ ۱۷۱۵ء میں لاہور

---

[۱] لاہور کی مساجد اور مدارس کی تفصیل ان حوالوں میں دیکھی جا سکتی ہے:
(الف) محمد عبداللہ قریشی، مساجد [عہدِ غزنوی سے زمانۂ حال تک]، مشمولہ نقوش، لاہور نمبر (حصہ اوّل)، شمارہ ۹۲ (فروری ۱۹۶۲ء) ۵۳۹-۵۹۷
(ب) ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، لاہور سکھوں کے عہد میں، پرنٹ لائن پبلشرز، لاہور ۲۰۰۰ء
تاریخ لاہور پر اور بھی کئی مصنفین نے کتابیں لکھی ہیں، اس موضوع کو ان میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

[۲] مساجد [عہد غزنوی سے زمانۂ حال تک]، محولہ بالا، ص ۵۴۹

میں پیدا ہوئے۔ ان کے متعلق پروفیسر علم الدین سالک (م ۱۹۷۳ء) لکھتے ہیں:

آپ کے آباءواجداد کابل سے چل کر لاہور آئے اور یہاں آباد ہوئے۔ آپ کے والد مولانا محمد حنیف اپنی علمی شہرت کی بنا پر مسجد وزیر خاں کے امام مقرر ہوئے۔ آپ کی والدہ تاشقند کی رہنے والی تھیں۔ مولانا محمد صدیق کے اساتذہ میں مولانا عابد' مولانا شہریار' مولانا حفیظ اللہ' مولانا مہر اللہ' مولانا ظہور اللہ خاص طور پر شہرت رکھتے ہیں۔ آپ نے حدیث کی خاطر حجاز کا سفر کیا اور اس کی سند شیخ یحییٰ بن صالح مکی سے حاصل کی۔ وہ مسجد الحرام میں درس دیتے تھے۔ مدینہ منورہ میں پہنچ کر آپ نے شیخ ابوالحسن مدنی سے حدیث کا تکرار کیا اور ان سے بھی سند حاصل کی۔ شیخ ابوالحسن بڑے پایہ کے محدث تھے۔ یہاں سے فارغ ہوکر مولانا محمد صدیق لاہور واپس آئے اور اپنے باپ کی جگہ وزیر خاں کی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔ امامت کے ساتھ ساتھ آپ نے پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ بھی شروع کیا اور اس میں شہرت حاصل کی...... مولانا سالک نے مزید لکھا کہ آپ نے فیضی کے مشہور رسالہ موارد الکلم کے جواب میں بے نقط حروف میں ایک رسالہ لکھا۔ فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔[1]

مولانا موصوف نے متعدد قلمی آثار چھوڑے۔ ان کے سولہ آثار مخطوطات کی صورت میں ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ان کے عنوانات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) مدار الاسلام فی علم الکلام (دو مخطوطے)
(۲) تحذیر الاخوان (دو نسخے)
(۳) سلک الدرر لاکمل رسل اطہر (۴ نسخے)
(۴) درء التعسف عن ساحۃ عصمۃ یوسف علیہ السلام
(۵) ھدیۃ الامام للخطباء
(۶) توضیح السنۃ فی تنقیح البدعۃ
(۷) شروط الامام

[1] محمد علم الدین سالک' علمائے کرام' دینی مدرسے' مشمولہ نقوش لاہور نمبر (حصہ اوّل)' ص ۵۰۴-۵۰۵

(۸) کلمات تامات
(۹) لقطۃ الخطب
(۱۰) ھجو المقلدین
(۱۱) شرح فصوص الحکم۔[1]

دوسرے عالم کا نام حافظ غلام محمد المعروف بہ امام گاموں لاہوری (م ۱۸۲۸ء) ہے۔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ مولانا محمد صدیق کے خلف الرشید تھے۔ قرآن پاک کے حافظ اور رائج الوقت علوم وفنون کے ماہر تھے۔ آپ بھی مسجد وزیر خاں کے امام تھے۔ رنجیت سنگھ مہاراجہ پنجاب آپ کا دل سے احترام کرتا تھا۔ مسجد وزیر خاں محض آپ ہی کی وجہ سے سکھوں کی دست برد سے محفوظ رہی۔ ورنہ شاہی مسجد' بیگم شاہی مسجد اور دوسری مساجد کی طرح یہ بھی سکھوں کے گھوڑوں کا اصطبل یا بارود خانہ بنتی۔ آپ بڑے نیک دل' نیک طینت اور نیک خیال بزرگ تھے۔ اہل اللہ کے دلدادہ اور درویشوں کے خدمت گزار تھے۔ زہد وتقویٰ کی بنا پر آپ قرآن پاک کی کتابت کرتے۔ اس سے جو میسر آتا' اس میں سے کچھ حصہ اپنے اوپر صرف کرتے اور کچھ اہل علم اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ اپنے درس کے طالب علموں کا بڑا خیال رکھتے' ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور انہیں پریشان ہوتا نہ دیکھ سکتے۔[2]

امام گاموں کا ایک مخطوطہ ذخیرہ پروفیسر محمد اقبال مجددی مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری' لاہور میں محفوظ ہے۔ اس کا عنوان درج ذیل ہے۔

[1] Catalogue of Arabic, Persian and Urdu Manuscipts, Rotographs and Microfilans etc. in the Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi, Compiled by Muhammad Iqbal Mujaddidi, with the Assistance of Hamid Ali Ansari, Revised by Syed Jamil Ahmad Rizvi, Lahore, University of the Punjab, 2016, pp.120-127. (Vol.3)

[2] محمد علم الدین سالک' علمائے کرام' دینی مدرسے' ص ۵۰۵[سالک صاحب نے اپنے مضمون میں ان کی تاریخ وفات ۱۸۲۷ء لکھی ہے جب کہ مجددی صاحب نے اپنی محولہ بالا فہرست میں ۱۸۲۸ء تحریر کی ہے (ص ۱۲۷)

شمس التوحید (عربی اور فارسی میں)۔ مصنف خود شاعر تھے اور غریب تخلص کرتے تھے۔ [۱]

مسجد وزیر خاں اور اس کے مدرسے سے واضح ہوتا ہے کہ علم کا سرچشمہ جاری تھا، خشک نہیں ہوا تھا۔ لاہور میں اسی مدرسہ کی مثل اور بہت سے مدارس تھے جن میں درس و تدریس کا کام جاری تھا اور فاضل علماء یہ کام سرانجام دیتے تھے۔

پنجاب میں دوسرا علمی مرکز ملتان تھا۔ اس کے چند مدارس کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) مدرسہ بہائیہ زکریا

(۲) مدرسہ کاشانیہ

(۳) مدرسہ مولانا موسیٰ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

(۴) مدرسہ مسجد درس والی

(۵) مدرسہ مسجد علی محمد خاں

(۶) مدرسہ شاہی مسجد شجاع آباد [۲]

منشی عبدالرحمٰن خاں اپنی کتاب ''آئینہ ملتان'' میں مزید لکھتے ہیں:

مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی کے قول کے مطابق ملتان پورے ہندوستان میں دہلی کے بعد سب سے بڑا علم و ادب کا مرکز رہا ہے جہاں سلاطین وقت نے علوم و فنون کی تعلیم کے خصوصی اہتمام جاری رکھے، وہاں اولیاء کرام اور علماء و فضلا کے جاری کردہ ذاتی مدارس بھی علم کی روشنی پھیلانے میں پیش پیش رہے۔

ماضی بعید میں ملتان کے جلیل القدر علماء کرام مولانا اسماء الدین ملتانی، مولانا ادریس ملتانی، مولانا عزیز اللہ تلنبوی، مولانا اللہ داد تلنبوی، مولانا فتح اللہ تلنبوی، مولانا عبداللہ تلنبوی، مولانا سید مرتضیٰ ملتانی کے مدارس سے ہی وہ علماء نکلے جن کا علمی و فقہی میلان پورے برعظیم پاک و ہند میں پھیلا اور جن کے متعلق مؤرخین نے لکھا کہ

[۱] ایضاً، ص ۱۲۷۔۱۲۸

[۲] منشی عبدالرحمٰن خاں، آئینہ ملتان، عوامی پریس لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۲۰۹۔۲۱۲ (ان صفحات پر مذکورہ مدارس کی تفصیل موجود ہے)

اما مملکت ملتان مردم خیز است۔ بزرگان ملتان ہر جا کہ رفتند
معزز و محترم گشتند، ہندوستان بوجود این عزیزان افتخار کند

خود ملتان کے اندر جتنے بزرگانِ دین موجود رہے، ان کی مساجد اور مزارات پر مکتب قائم ہوتے چلے آئے جن میں علوم متداولہ کی تعلیم کا خاطر خواہ بندوبست کے علاوہ تربیت و تزکیۂ نفس کا بھی اہتمام تھا۔ اس سلسلہ میں خانقاہ دیوان چاولی مشائخ، خانقاہ ایوب قتال، خانقاہ مخدوم عبدالرشید حقانی، حضرت سلطان احمد قتال، خانقاہ ابوبکر وراق، خانقاہ شاہ حبیب قادری، خانقاہ حضرت عبدالحکیم اور خانقاہ حضرت شاہ دانا شہید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آج بھی ان میں سے بعض خانقاہوں پر درسِ نظامی کے تعلیم کے مکاتب موجود ہیں۔ ان کے علاوہ سدھو، تلنبہ، کہروڑ پکا، خان پور قاضیاں، جلال پور پیر والہ، عبدالحکیم، فاضل شاہ وغیرہ انگریزوں کی آمد تک علوم و فنون اور تصوف و سلوک کے مراکز کی حیثیت سے پورے برعظیم میں مشہور تھے۔

ماضی قریب میں حافظ جمال اللہ ملتانی، قاضی عیسیٰ خان پوری، مولانا خدا بخش خیر پوری، مولانا عبیداللہ ملتانی، مولانا عبدالعزیز پرہاروی اور خسرو ملتان منشی غلام حسن ملتانی، اسلاف کی صدیوں کی علمی اور روحانی امانتیں آنے والی نسلوں کو بحفاظت تمام سپرد کر گئے، ان ہی حضرات کے علمی مراکز سے علم کی قندیلیں آج تک روشن چلی آ رہی ہیں۔ [۱]

نواب مظفر خاں شہید (شہادت ۲ جون ۱۸۱۸ء) کے دور میں چار مدرسے مشہور تھے۔

عمر کمال خاں ایڈووکیٹ اپنی کتاب ''مظفر خان شہید اور اس کا عہد'' میں لکھتے ہیں:

دور نواب مظفر خان میں نصاب تعلیم درسِ نظامی تھا اور عربی اور فارسی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ویسے تو کئی مدرسے تھے۔ چار مدرسے اس دور میں بہت مشہور تھے۔ ان مدارس کی اعانت و سرپرستی نواب مظفر خان کرتے تھے۔ [۲]

ان چار مدارس کے نام یہاں پر دیئے جاتے ہیں:

(۱) مدرسہ موسیٰ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) مدرسہ مسجد درس والی

[۱] ایضاً، ص ۲۱۲۔۲۱۳

[۲] عمر کمال خان، نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد، ص ۲۶۳، فاروقی کتب خانہ، ملتان، ۱۹۷۸ء

(۳) مدرسہ محمد علی خان

(۴) مدرسہ شاہی مسجد شجاع آباد[1]

سکھ راج میں لاہور اور ملتان کے مدارس کو بہت نقصان پہنچا۔ ایک مغربی مورخ آئن ٹالبوٹ (Ian Talbot) اپنی کتاب "Punjab And The Raj 1849 - 1947" میں لکھتا ہے:

۱۷۷۰ء کے بعد ملتان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ سکھ فوجیوں کی بربریت کی زد میں رہا حتیٰ کہ ۱۸۱۸ء میں رنجیت سنگھ نے ملتان کے بظاہر مضبوط قلعے پر چڑھائی کر کے اس پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اس کے باوجود یہاں اس وقت تک انتشار اور افراتفری کا دور دورہ رہا جب تک دیوان ساون مل نے ۱۸۲۱ء میں ملتان میں مضبوط و مستحکم حکومت قائم کر کے امن و امان کو یقینی نہ بنا دیا۔[2]

یہ ایک مغربی مؤرخ کی رائے ہے۔ علمی ادارے امن و امان کی فضا میں پروان چڑھتے ہیں۔ اس سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایسی افراتفری کے زمانے میں اسلامی مدارس کو بھی نقصان پہنچا۔

یہاں پر ٹالبوٹ کی رائے متعلقہ دیہی صوفی ازم میں اصلاح کا پہلو بذریعہ چشتی مشائخ (۱۸ویں صدی عیسوی میں) درج کی جاتی ہے:

اصلاحی تحریک کے علمبرداران علماء کو پنجاب میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے میں ہونے والی ناکامی کی کئی وجوہات تھیں جن میں سب سے اہم دیہی صوفی ازم کے اندر اصلاح کے عنصر کا ظہور تھا۔ اس اصلاح میں جو پیر پیش پیش تھے ان میں اٹھارویں صدی (عیسوی) کے چشتی سلسلے سے تعلق رکھنے والے بزرگ خواجہ نور محمد آف مہر (مہار)، کوٹ مٹھن کے خواجہ محمد عقیل (محمد عاقل)، ملتان کے حافظ محمد جمال اور تونسہ کے خواجہ محمد سلیمان تھے۔ انہوں نے

[1] ایضاً، ص ۲۶۳-۲۶۴ [زیر حوالہ چار مدارس کا مختصر تعارف ان صفحات پر دیکھا جا سکتا ہے]

[2] آئن ٹالبوٹ، پنجاب غلامی سے آزادی تک، ۱۸۴۹ء-۱۹۴۷ء، مترجم پروفیسر طاہر کامران، ص ۲۷-۲۸، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۹ء

درسگاہوں کو عوام کی پیروں کے لیے عقیدت کے اظہار کے مراکز کی بجائے نیکی کے پرچار اور اسلامی تعلیم کی فراہمی کے مراکز میں تبدیل کر دیا۔[1] [اس ترجمے میں دو اغلاط ہیں، مہار کو مہر لکھا گیا ہے۔ خواجہ محمد عاقل کو خواجہ محمد عقیل تحریر کیا گیا ہے]۔

ٹالبوٹ نے خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے متعلق بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کو یہاں پر نقل کیا جاتا ہے:

چشتی سلسلے کے ان پیروں نے جنہوں نے اصلاح کی اس روایت کی ابتداء کی تھی، شریعت کو طریقت کا اہم ترین اور بنیادی جزو بنا دیا۔ انہوں نے صوفیوں اور علماء کو بھی ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کی۔ ان مصلح پیروں میں سب سے زیادہ معروف خواجہ محمد سلیمان تھے جنہوں نے تونسہ میں اپنی خانقاہ میں دارالعلوم قائم کیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے کئی اور مدارس بھی قائم کیے۔ خواجہ محمد سلیمان کی خانقاہ جلد ہی ایک عظیم ادارے کی شکل اختیار کر گئی جس کے ساتھ موچی، لوہار، حجام اور دھوبی بڑی تعداد میں منسلک تھے۔ اسے بالکل وہی اہمیت حاصل ہو گئی جو ایک وقت میں بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کو حاصل تھی۔

خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مریدوں کی شبانہ روز کوششوں سے مغربی پنجاب کے مختلف علاقوں میں اسی نوعیت تونسہ کی خانقاہ کی طرز پر چشتی خانقاہوں کا ایک جال بچھ گیا۔ چنانچہ مکھڈ، گولڑا، تونسہ اور جلال پور چشتی سلسلے کے اہم مراکز بن گئے (سیال شریف بھی ان میں شامل ہے)۔ یہ خانقاہیں حکومت کی معاونت کی تاریخی روایت پر کم ہی عمل پیرا ہوتی تھیں، کیوں کہ ان کی طاقت کا ذریعہ اقتصادی طاقت کی بجائے مذہبی اثر و رسوخ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ ریاستی تعاون پر شاذ و نادر ہی آمادہ ہوتی تھیں اور جب کبھی معاشی وجوہات کی بنا پر یہ مقامی سیاست میں حصہ لیتی بھی تھیں، تو بھی ان کا طریقہ کار اور نقطۂ نظر دیگر روایتی خانقاہوں سے قطعاً مختلف ہوتا تھا۔

چشتی مصلح پیر دیہی صوفی ازم اور روایت پرستی پر مبنی شہری اسلام میں باہمی تعلق پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد ازاں انہوں نے اس تعلق کو علاقے کی شہری و دیہی مذہبی و سیاسی روایات میں "Harmony" ہم آہنگی قائم کرنے کے لیے استعمال کیا جس میں انہیں عارضی طور پر کامیابی حاصل ہوئی۔ ان تمام عناصر کا ارتکاز تحریک پاکستان کے آخری اور فیصلہ

[1] ایضاً، ص ۳۸-۳۹

کن ایام کے دوران بہت اہمیت کا حامل قرار پایا۔ [1]

تاریخی اعتبار سے یہ ایک مغربی مؤرخ کا اپنا تجزیہ ہے۔ ضروری نہیں کہ ان سب نکات کے ساتھ اتفاق کیا جائے، لیکن اس اقتباس میں دیئے گئے نکات بہت اہم ہیں۔ تحریک پاکستان میں صوفیاء اور علماء کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے، آخر میں ٹالبوٹ نے یہی بات کہی ہے۔

اس مقام پر معروف سکالر ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی کی رائے کا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے اس کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۴ پر بیان کی ہے۔ یہ سلسلہ چشتیہ کی دیہاتی شہری تقسیم کے بارے میں دی ہے:

ہماری تحقیق بشریاتی نوعیت کی نہیں ہے، بلکہ یہ دیہاتی پنجاب میں چشتی صوفیہ کو زیر بحث لاتی ہے اور دلیل پیش کرتی ہے کہ اس سلسلۂ چشتیہ کی دیہاتی شہری تقسیم اتنی وسیع نہیں ہے جتنی مستشرقین اور دوسرے ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ [2]

اسی مقالے (قیام مدارس) کا دوسرا حصہ نصاب تعلیم ہے۔ اسلامی مدارس میں درس نظامی پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے مرتب ملا نظام الدین محمد سہالوی (م ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ھ) ہیں۔ یہ شاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھے۔ ابوالحسنات ندوی نے اس کی تفصیل دی ہے۔ اس نصاب پر تنقید بھی کی گئی ہے کہ اس میں حدیث کی ایک کتاب مشکوٰۃ پڑھائی جاتی رہی۔ (اب تو صحاح ستہ کے نام بھی دور پنجم میں ملتے ہیں)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں شامل ادب اور حدیث کی کتب ہر جگہ نہیں پڑھائی جاتیں۔ اس کا جواب محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے دیا ہے جو اس کتاب میں اپنے مقام پر شامل کیا گیا ہے۔ اسلامی مدارس میں فارسی ادبیات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی یہ ابتدائی یا اسکول کی تعلیم تھی۔ درسِ نظامی میں عربی اور فارسی کتب کے نام بھی دیئے گئے۔ یہ موضوعات کے تحت شامل ہیں۔ اس حصے میں مدارس عربیہ اور خانقاہی مدارس کے نصاب میں فرق بھی بتایا گیا ہے۔ خانقاہی مدارس میں تصوف کی کتب بھی پڑھائی جاتی تھیں اور روحانی ارتقاء کے لیے اعمال/مجاہدے بھی کروائے جاتے تھے۔

اس (قیام مدارس) والے مقالے میں آخری حصہ مالی وسائل کا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان

---

[1] ایضاً، ص ۳۸-۳۹

[2] ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی (و) سید جمیل احمد رضوی، ۲۰۱۷ء (جلد اول)، ص ۲۴

مدارس اسلامیہ کو چلانے کے لیے مالی وسائل کی ضرورت تھی۔ عہد مغلیہ بالخصوص اس دور کے آخری حصے میں جاگیریں دی گئی تھیں یا ان کو خانقاہوں اور مدارس کے لیے وقف کیا جاتا تھا۔ اس کی آمدنی سے مدارس کو مالی وسائل فراہم ہوتے تھے مثلاً حضرت نور محمد مہاروی ؒ (قبلہ عالم ؒ) کو خیر محمد پرجانی نے جاگیر عطا کی تھی۔ بعد میں اس جاگیر کو بہاول خاں کلاں (م ۱۸۰۹ء) نے ضبط کر لیا تھا۔ قبلہ عالم ؒ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ان کی وفات کے بعد خواجہ تونسوی ؒ نے اس جاگیر کو واگزار کروا دیا تھا۔ حافظ محمد جمال ملتانی ؒ کے نواب مظفر خان شہید کے ساتھ پہلے اچھے تعلقات تھے۔ نواب شہید مدارس کا خیال رکھتے تھے۔ قاضی محمد عاقل ؒ کا خاندان فرمانِ شاہی سے عطا کردہ جاگیر (پانچ ہزار بیگہ زمین) کا مالک تھا۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر دی گئی ہے۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ نے جاگیر لینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ پیش کش عبدالجبار خاں نواب ڈیرہ غازی خاں نے کی تھی اور کہا تھا کہ یہ ہمارے پیروں اور مشائخ کی سنت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خواجہ تونسوی ؒ نے تونسہ کو مدارس اسلامیہ کا مرکز بنا دیا تھا اور لنگر کے نظام کو بھی مثالی بنا دیا تھا۔ یہ ان کا اللہ تعالیٰ پر توکل تھا۔ اس کی تفصیل بھی اس مقالے میں دی گئی ہے۔

یہاں پر اس امر کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر تحقیق دور میں سلسلۂ چشتیہ کا مرکز دہلی سے پنجاب میں منتقل ہو گیا۔ خواجہ فخر الدین دہلوی ؒ نے درست کہا تھا۔

ع مکھن پنجابی لے گیا، چھاچھ پیو سنسار

اس کا ثبوت یہ ہے کہ قبلہ عالم ؒ کے پاس دہلی سے لوگ مہار شریف آنے لگے تاکہ روحانی فیض حاصل کر سکیں۔ اسی طرح خواجہ تونسوی ؒ کے پاس ہندوستان (دہلی وغیرہ سے) کئی لوگ فیض حاصل کرنے کے لیے آتے رہے۔ ان کے نام ملفوظات اور دوسری متعلقہ کتب میں ملتے ہیں۔

دوسرا باب یا مقالہ لنگر روایت کے بارے میں ہے۔ یہ پہلے ششماہی تحصیل، کراچی کے شمارہ ۱ (۲۰۱۷ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ [1] اس میں زیر تحقیق عہد میں لنگر کی روایت کی تفصیل

---

[1] سید جمیل احمد رضوی، اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کا پنجاب، سلسلہ چشتیہ کی تجدید و ارتقاء اور لنگر کی روایت، مشمولہ تحصیل، کراچی، جلد ۱، شمارہ ۱ (جولائی - دسمبر ۲۰۱۷ء)، ۱۱۵-۱۳۴

بیان کی گئی ہے۔ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اس کو ایک منظم ادارے کی شکل دی گئی۔ اس کو انتظامیات (Administration) کے اصولوں کے تحت ترتیب دیا گیا۔ لنگر سے اساتذہ، طلبہ، زائرین اور دیگر متعلقہ افراد کو کھانا ملتا تھا۔ اس مطبوعہ مقالے کا افتتاحی پیرا حذف کر دیا ہے۔ [1] اس پیراگراف میں زیر تحقیق منصوبے کا عنوان لکھا گیا ہے جس کا خاکہ ڈاکٹر ساجدہ علوی صاحبہ نے بنایا۔ ستمبر ۲۰۱۴ء میں راقم نے ان کے معاون کی حیثیت سے کام شروع کیا جو رسمی طور پر دسمبر ۲۰۱۳ء تک جاری رہا۔ میں ان کو ہر چھ ہفتے میں کیے گئے کام کی رپورٹ بھیجتا تھا اور ان کے مشورہ سے اس کی عکسی نقل اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ یہ مقالہ ان رپورٹس کی بنیاد پر لکھا گیا اور اس کو مذکورہ مجلہ میں شائع کروایا۔ مارچ ۲۰۱۷ء میں اس کا ایک آف پرنٹ ڈاکٹر صاحبہ کو بھی دیا گیا۔ اس پیراگرف میں ڈاکٹر صاحبہ کی راہنمائی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

تمہ کی صورت میں جو مقالہ شامل کیا گیا ہے، اس کا عنوان ہے: منشی غلام حسن شہید (۱۷۸۲ء-۱۸۴۵ء) صوفی شاعر اور عالم۔ یہ بھی ادب و کتب خانہ، کراچی (۲۰۱۸ء) میں شائع ہو چکا ہے۔[2] منشی غلام حسن شہید حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء) کے نامور خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ اُردو، فارسی اور سرائیکی میں شعر کہتے تھے۔ ہم (راقم السطور ڈاکٹر صاحبہ اور ان کے شوہر) ۲۰۰۶ء میں ملتان میں گئے اور منشی صاحب کے مزار پر بھی حاضری دی۔ اس درگاہ کے سجادہ نشین حاجی مخدوم اعجاز الحق قریشی سے بھی ملاقات کی اور ان سے منشی صاحب شہید کے خطی دیوان کی عکسی نقل حاصل کی۔[3] اس مقالے کی تحریر میں اس خطی دیوان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ [اس مقالے کا افتتاحی پیرا بھی حذف کر دیا ہے۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو اوپر والے پیراگراف میں بیان کی گئی ہے]۔

---

[1] ایضاً، ص ۱۱۵ (اس پیرا کے لیے یہ صفحہ دیکھیں)

[2] ادب و کتب خانہ/نسیم فاطمہ مدیرہ اعلیٰ، ص ۱۰۱-۱۰۹، بزمِ اکرم، کراچی، ۲۰۱۸ء

[3] اس مخطوطہ کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:
غلام حسن شہید، دیوان حسن، مکتوبہ ۱۲۲۴ھ، صفحات ۲۸ + ۱۱۲، خط: نستعلیق مخطوطہ مملوکہ حاجی اعجاز الحق قریشی (سجادہ نشین درگاہ منشی غلام حسن شہید، دہلی گیٹ، محلہ آغاز پورہ، ملتان) [اس مخطوطہ کی عکسی نقل راقم کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے]۔

اس مقدمہ کے آخر میں اظہار تشکر کا موقع ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصہ کے مقدمے کے آخر میں جن ارباب علم و فضل کا شکریہ ادا کیا گیا تھا، ان کا دوبارہ شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ ہم دونوں (ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی صاحبہ اور راقم السطور) پیر محمد اجمل چشتی فاروقی صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنی ذاتی لائبریری میں محفوظ مخطوطات و مطبوعات کی عکسی نقول حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ہر ممکن سہولت بھی فراہم کی۔ پروفیسر محمد اقبال مجددی کے بھی سپاس گزار ہیں کہ انہوں نے نہ صرف ایک اہم ماخذ کی عکسی نقل حاصل کرنے کی اجازت دی بلکہ مختلف مواقع پر علمی استفسارات کے جوابات فراہم کرنے میں بھی مدد کی۔ پروفیسر عبدالعزیز ساحر کے بھی ممنون ہیں کہ انہوں نے سلسلہ چشتیہ کے حوالے سے اپنی تصانیف بھجوائیں جن سے بھی استفادہ کیا گیا۔ منشی غلام حسن شہید ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے سجادہ نشین حاجی محمد اعجاز الحق قریشی نے دسمبر ۲۰۰۶ء میں اپنی لائبریری سے دو مخطوطات کی عکسی نقول حاصل کرنے کی اجازت دی ان کے بھی ممنون احسان ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور اور اس کے متعلقہ سٹاف کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ اس لائبریری کے کتابی وسائل سے استفادہ کیا اور مذکورہ سٹاف نے ہر ممکن سہولت فراہم کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا کرے۔

دارالفیض گنج بخش لاہور کے بانی و صدر میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی کے بھی سپاس گزار ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کو شائع کرنے کی نہ صرف ذمہ داری لی، بلکہ اس کام کی رفتار کار کے بارے میں بھی فون پر پوچھتے رہے۔ میاں صاحب کے اس طرزِ عمل سے بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس ادارے کے ناظمِ اشاعت میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب اور میاں خبیب قادری صاحب (سیکرٹری جنرل) کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ان شخصیات نے مطب موسوی کی روایات کو زندہ رکھا ہے۔ دارالفیض گنج بخش لاہور کے دیگر رفقاء کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ خداوند عالم ان سب کو جزائے خیر عطا کرے اور اپنی نعمتوں سے نوازے اور ان کو مشائخ چشت کے وسیلے سے اُن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، نیز ان کی توفیقات میں مزید اضافہ کرے تاکہ یہ سب علمی خدمات بجالاتے رہیں اور علم کی روشنی کو پھیلاتے رہیں۔ اس طرح کتاب کی خوشبو بھی پھیلتی ہے اور پڑھنے والوں کے اذہان منور

ہوتے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد.

آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ یہ رسمی الفاظ ہیں۔ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے الفاظ کے دامن میں اتنی وسعت نہیں کہ اس کا حق ادا کیا جا سکے۔ ہم سب اس ذات کی رحمت کے زیر سایہ رہتے ہیں اور یہی کہہ سکتے ہیں: الحمدللہ علیٰ احسانہ۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حوالے سے کیا خوبصورت بات کہی ہے:

از دست و زبانِ کہ بر آید
کز عہدۂ شکرش بدر آید

فہرست مصادر و منابع
(Bibliography)

(۱) ٹالبوٹ آئن (Talbot Ian)۔ پنجاب غلامی سے آزادی تک' ۱۸۴۹ء۔ ۱۹۴۷ء' مترجم پروفیسر طاہر کامران' لاہور: تخلیقات' ۱۹۹۹ء۔

(۲) جمیل احمد رضوی' سید' اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کا پنجاب' سلسلۂ چشتیہ کی تجدید وارتقاء اور لنگر کی روایت' مشمولہ تحصیل' کراچی' جلد ا' شمارہ ا' (جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۷ء) ۱۱۵۔ ۱۳۴۔

(۳) جمیل احمد رضوی' سید' منشی غلام حسن شہید (۱۷۸۲ء۔ ۱۸۴۵ء)' صوفی' شاعر اور عالم' مشمولہ ادب اور کتب خانہ/نسیم فاطمہ' مدیرہ اعلیٰ' کراچی: بزم اکرم' ۲۰۱۸ء۔

(۴) ساجدہ سلطانہ علوی ڈاکٹر (و) سید جمیل احمد رضوی' پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید و ارتقاء (اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں)۔ لاہور: دارالفیض گنج بخش' ۲۰۱۷ء۔

(۵) سالک' محمد علم الدین' علمائے کرام' دینی مدرسے' مشمولہ نقوش' لاہور نمبر (حصہ اوّل)' شمارہ ۹۲ (فروری ۱۹۶۲ء) ۴۴۱۔ ۵۴۲۔

(۶) عبداللہ چغتائی' ڈاکٹر۔ لاہور سکھوں کے عہد میں۔ لاہور: پرنٹ لائن پبلشرز' ۲۰۰۰ء

(۷) عبدالرحمٰن خان منشی۔ آئینہ ملتان' لاہور: عوامی پریس' ۱۹۷۲ء۔

(۸) عمر کمال خان۔ نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد۔ ملتان: فاروقی کتب خانہ' ۱۹۷۸ء۔

(۹) غلام حسن شہید' منشی۔ دیوان حسن (مخطوطہ)' مکتوبہ ۱۲۲۴ھ' صفحات ۲۸+ ۲۱۲' نستعلیق۔

(۱۰) محمد عبداللہ قریشی' مساجد۔ عہدِ غزنوی سے زمانۂ حال تک' مشمولہ نقوش' لاہور نمبر' (حصہ اول)' شمارہ ۹۲ (فروری ۱۹۶۲ء) ۵۳۹۔ ۵۹۷۔

(11) Catalogue of Arabic, Persian and Urdu Manuscripts,

Rotographs and Microfilms etc. in the colloection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi, Compiled by Muhammad Iqbal Mujaddidi, with the assistance of Hamid Ali Ansari, Revised by Syed Jamil Ahmad Rizvi. Lahore: University of the Punjab, 2016, Vol. 3.

(12) Ernest, Carl, and lawrence, Bruce. Sufi Martyrs of Love. New York: Palgrave, 2002.

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ	سید جمیل احمد رضوی
بمطابق ۵ جنوری ۲۰۱۹ء	سابق چیف لائبریرین
	پنجاب یونیورسٹی لائبریری
	لاہور

❁❁❁❁❁

پنجاب میں قیام مدارس' ان کا نصاب اور مالی وسائل
(اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں)

اسلام میں علم کی اہمیت

اسلام نے علم کے حصول پر بہت تاکید کی ہے' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی' اس میں پڑھنے اور قلم کے ذریعے سکھانے کا ذکر کیا گیا۔ یہ پانچ آیات پر مشتمل ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی (لوتھڑے) سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بہت کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہیں تھا۔ (العلق ۹۶:۱-۵)

سورۂ طٰہٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوایا:

اور دعا کیا کرو کہ میرا پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۴)

یہ دراصل امت کو سکھانے کے لیے ایسا کہنے کا حکم دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اس کی پیروی کرتے ہوئے ہمیں بھی زیادہ حصولِ علم کی کوشش کرنی چاہیے۔

اسی طرح سورۂ فاطر میں علماء کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ (فاطر ۲۵:۲۸)

سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہنے کے لیے فرمایا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں۔

رب العزت کے ارشاد کا ترجمہ یہ ہے:

کہو بھلا جو علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ (الزمر ۳۹:۹)

احادیث میں بھی علم حاصل کرنے کے لیے بہت تاکید ملتی ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب العلم

میں ایسی احادیث ملتی ہیں جن میں علم حاصل کرنے کے مختلف پہلوؤں پر تاکید کی گئی ہے۔

ایک حدیث میں کہا گیا ہے:

(۱) علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

(معجم طبرانی واوسط وصغیر عن ابی سعید وابن عباس والحسن بن علی رضی اللہ عنہ)

اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔

(۲) زمین پر عالم کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان پر ستاروں کی ہے جو بحر و بر کی تاریکیوں کو روشن کرتے ہیں۔ اگر ستارے ماند پڑ جائیں تو رہنما بھی بھٹکتے پھریں۔ (مسند احمد)

(۳) جو شخص صبح سویرے علم حاصل کرنے یا علم کی تعلیم دینے کے لیے گھر سے نکلے تو اسے ایک مکمل حج کا ثواب ملتا ہے۔ (طبرانی کبیر عن ابی امامہ)

(۴) جو شخص طلب علم کے لیے اپنے گھر سے نکلے تو جب تک وہ واپس نہ آ جائے تو اس وقت تک اس کا مرتبہ مجاہد غازی کے برابر ہوتا ہے۔ (ترمذی عن ابن عباس)

(۵) علم و حکمت مومن کی گم شدہ (دولت) ہے۔ جہاں سے مل جائے اسے حاصل کرنا چاہیے کیوں کہ مومن اس کا زیادہ حقدار ہے۔ (ترمذی عن ابی ہریرہ)

(۶) "العلماء ورثة الانبیاء" (یعنی علماء پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں۔ [۱]

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی بنی تو اس میں صفہ کے نام سے ایک اقامتی تعلیم گاہ بھی قائم کی گئی تھی۔ اس میں لکھنے پڑھنے جیسی سادہ تعلیم سے لے کر دین، قانون، سلوک اور اخلاق کی اعلیٰ تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ عہد نبوی میں مدینہ منورہ ہی میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدیں تھیں، جن میں سے ہر ایک میں مدرسہ بھی تھا اور اہل محلہ وہیں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ [۲]

اس حوالے سے محمد حفیظ اللہ پھلواری لکھتے ہیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد کی بنیاد ڈالی اور ساتھ ہی اس کے شمالی گوشے میں ایک چبوترہ بنایا جس پر ایک سائبان تھا۔ یہی صفہ کہلایا۔ یہاں وہ مہاجرین قیام کرتے جو

[۱] سید رشید احمد ارشد، عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نظام تعلیم، مشمولہ نقوش رسول نمبر، جلد چہارم (جنوری ۱۹۸۳ء)، ص ۱۳۱

[۲] سیرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم، شعبۂ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور، ص ۱۷۹

غیر متاہل اور بے مایہ تھے۔ یہ اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔ یہ لوگ لقمہ توڑنے نہیں آتے تھے بلکہ دنیوی علائق سے بے نیاز اور بے تعلق ہو کر تعلیم دین حاصل کرنے میں مصروف رہتے۔ ان لوگوں نے اپنی زندگیاں اسلام سیکھنے کے لیے وقف کر دی تھیں۔ [۱]

مولانا مناظر احسن گیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ صفہ اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ باہر سے جو لوگ طلب علم کے لیے آئیں۔ انہیں اس میں ٹھہرایا جائے اور تعلیم دی جائے۔ اس صفہ کے رہنے والوں کی خبر گیری مسلمانوں کے سپرد تھی، کم و بیش اسلام کی اس پہلی تعلیم گاہ میں مختلف اوقات کے اندر طلبہ کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی تھی۔ کچھ تو لکڑیاں جنگل سے لا کر اور ان کو بیچ کر اپنا کام چلاتے تھے جیسا کہ بخاری میں ہے کہ دن کو صفہ والے لکڑیاں چنتے تھے اور رات کو پڑھتے تھے، لیکن اصحاب ثروت و وسعت کی طرف سے باشارۂ نبوت ان کی امداد بھی ہوتی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براہِ راست ان لوگوں کے کھانے پینے کے مسئلہ کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ کوئی خراب چیز اگر ان لوگوں کے لیے بھیجتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ناخوشی کا اظہار فرماتے۔ [۲]

اسی مضمون میں مولانا مناظر احسن گیلانی مزید تحریر کرتے ہیں:

مدینہ میں ۲ھ میں ایک جنگ بدر کے موقع پر بہت سے قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان کی رہائی کی ایک صورت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مقرر کی کہ ہر قیدی دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم سے کتنی دلچسپی تھی۔ [۳]

وہ مزید لکھتے ہیں:

مورخ طبری نے ۱۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو ناظم تعلیمات بنا کر یمن بھیجا جہاں وہ ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں دورہ کیا کرتے اور مدارس کی نگرانی کرتے۔ (حصہ اول)

معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملک یمن میں تعلیم اسلام کے لیے مامور

[۱] محمد حفیظ اللہ پھلواری، عہدِ نبوی میں علمی ترقیاں، مشمولہ نقوش رسول نمبر، جلد چہارم (جنوری ۱۹۸۳ء) ص ۱۴۲

[۲] ایضاً، ص ۱۴۲

[۳] ایضاً، ص ۱۴۳

فرمایا تھا۔ ان کی روانگی کے وقت ان سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ آسانی پسند کرنا، انہیں سختی میں نہ ڈالنا، خوش خبری اور بشارت انہیں سنانا، دین سے نفرت نہ دلانا اور تم آپس میں مل جل کر رہنا۔ (بخاری)[1]

آپ ﷺ خواتین کی تعلیم کو بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔ دوسری سہولتوں کے باوجود یہ انتظام بھی کیا گیا۔

خواتین نے یہ محسوس کیا کہ آنحضرت ﷺ سے ہفتہ میں ایک دن صرف خواتین کے لیے مخصوص کرالینا چاہیے۔ چنانچہ ان کی درخواست پر آپ نے ہفتہ میں ایک دن صرف خواتین کی تعلیم کے لیے مخصوص کر دیا تھا، اس دن آپ ان کے سوالات کے جوابات دیتے اور ملکی حالات کے مطابق انہیں وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ ان اجتماعات سے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے اور جنگی ضروریات کے لیے خواتین نے دل کھول کر مالی امداد کی۔[2]

اس پس منظر میں جب ہم زیر حوالہ عہد میں پنجاب میں چشتی صوفیہ کے کردار کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علم کی نشر و اشاعت میں بھرپور کوشش کی یعنی مدارس قائم کیے، قابل اساتذہ کو مقرر کیا، مالی وسائل حاصل کر کے ان کو اس مقصد کے لیے صرف کیے۔ اس کے علاوہ مدارس کے نصاب پر بھی نظر رکھی۔ اگر ہم اس کو ایک مثلث سے تشبیہ دیں تو مناسب ہوگا یعنی مسجد، مکتب (مدرسہ) اور مکتبہ (لائبریری)۔ یہ تینوں مل کر نظام تعلیم کا ڈھانچہ فراہم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کتاب کے اس حصہ میں خواجہ نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء) اور ان کے بڑے خلفاء کی مساعی جمیلہ کو دیکھا جائے گا جنہوں نے قیام مدارس اور مروجہ تعلیم کی ترویج و ارتقاء کے لیے کی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

[1] ایضاً، ص ۱۴۳

[2] سید رشید احمد ارشد، عہد رسول ﷺ میں نظام تعلیم، ص ۱۳۵

قیام مدارس

حضرت نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۳۰ء-۱۷۹۰ء)

علوم ظاہری اور علومِ باطنی میں ان دو شخصیات خواجہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مہارت حاصل کی اور ان کی تدریس بھی کی۔ ان مسائل میں سے ہر ایک اس مخالفانہ ماڈل کو چیلنج کرتا ہے جس کی مستشرقین حمایت کرتے ہیں۔ حضرت نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اساتذہ کے نیٹ ورک تک رسائی، بشمول خواجہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ، تعلیمی ڈھانچے کی موجودگی ظاہر کرتی ہے، جو بطرز احسن دیہاتی علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ ڈھانچہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ اس وقت پورے جنوب مغربی پنجاب میں کارفرما تھا...... نہ خشک ہوا تھا اور نہ ہی غیر موجود تھا۔ یہ تعلیمی نیٹ ورک جو دیہاتی مقامات اور شہری مراکز کو جوڑتا تھا۔ اس نے اورنگ آباد اور دہلی کی روحانی روایات کو پنجاب میں پہنچانے کا انتظام کیا۔[1]

قبلۂ عالم (حضرت نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ) خواجہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۱۸۳ھ - ۱۱۸۴ھ/ ۱۷۶۹ء - ۱۷۷۰ء میں خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پھر وہ مہار شریف میں آ گئے اور اسی جگہ سکونت رکھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے یہ مقام روحانیت کا مرکز بن گیا۔ آپ نے اپنے خلفاء کو کتابوں کی تدریس شروع کر دی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے چار بڑے خلفاء خواجہ نور محمد نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام پر قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کی کئی کتابیں اور رسائل پڑھے۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ اس وقت مسجد مکتب (مدرسہ) کا کام بھی کرتی تھی اور مسجد ہی میں درس و تدریس کا کام جاری رہتا تھا۔ اس کی تفصیل ملفوظات کی کتابوں میں ملتی ہے۔ بعد میں آپ کی درگاہ کے ساتھ مدرسہ کی بنیاد بھی

[1] ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی و سید جمیل احمد رضوی، پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کی تجدید و ارتقاء (اٹھارویں اور انیسوی صدی عیسوی میں) حصہ اول، دار الفیض گنج بخش، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵-۲۶

رکھ دی گئی۔ پروفیسر افتخار احمد چشتی (م:۲۰۰۱ء) اس حوالے سے لکھتے ہیں:

درگاہ معلّٰی کے ابتدائی ایام میں ہی دینی مدرسہ کا قیام اس جگہ کر دیا گیا تھا۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی تمام حیاتِ مبارکہ درس و تدریس اور تعلیم و تربیت میں گزری تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ ان کے مقدس مشن کو جاری رکھا جاتا۔ اسی خاطر ابتداء میں ہی دینی مدرسہ کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ مگر بعد میں بعض نامساعد حالات کی بنا پر مدرسہ بند ہو گیا۔ [1]

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر دینی مدرسہ

پروفیسر افتخار احمد چشتی لکھتے ہیں:

حضرت میاں نور جہانیاں صاحب قبلہ (م: ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء) سجادہ نشین بنے تو آپ اس مدرسہ کے دوبارہ آغاز کے بارے میں غور و فکر کرنے لگے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ درگاہ معلّٰی میں پھر سے ایک شاندار دینی درسگاہ قائم کی جائے۔ آپ کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل ۱۹۸۱ء میں ہوئی۔ جب اسی سال ابتدائی دینی مدرسہ کا آغاز ہوا۔

آپ کی توجہ خصوصی سے مدرسہ آہستہ آہستہ ترقی کرتا گیا' چنانچہ چند سالوں میں ہی ترقی کی منازل طے کر گیا۔ اب اس دینی مدرسہ میں ناظرہ حفظ قرآن پاک کے علاوہ عربی و فارسی اور درسِ نظامی کی کتابوں کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ مزید برآں امسال دورۂ حدیث کا آغاز بھی لایا جا چکا ہے۔

اس وقت تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ زیر تعلیم ہیں' جن میں سے بیشتر تعداد باہر کے طلبہ کی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر غریب و نادار طلبہ ہیں۔ مدرسہ کی جانب سے کوئی چندہ وغیرہ اکٹھا نہیں کیا جاتا۔ چند مخلصین از خود اعانت کرتے ہیں۔ طلبہ کی تمام تر ضروریات کا مدرسہ کفیل ہے جس کے نگرانِ اعلیٰ خود حضرت سجادہ نشین صاحب دامت برکاتہٗ ہیں۔

یہ مدرسہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد محب النبی حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نامِ نامی اور اسم گرامی سے موسوم کیا گیا ہے۔

حضرت میاں نور جہانیاں صاحب قبلہ سجادہ نشین درگاہ معلّٰی نے اس کا نام یہ رکھا ہے:

مدرسہ نظامیہ عربیہ فخر المدارس (رجسٹرڈ)

---

[1] پروفیسر افتخار احمد چشتی' صمری سلیمانی' حضور قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ' احوال و مناقب' چشتیہ اکادمی' فیصل آباد' ۱۹۹۲ء' ص ۳۴۰

درگاہ معلّٰی

حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ

چشتیاں شریف' ضلع بہاولنگر' پاکستان [1]

بہاول سٹیٹ گزیٹیئر حکومت پنجاب (۱۹۰۴ء) میں مدرسہ کے قیام کا حوالہ

اس گزیٹیئر کے الفاظ درج ذیل ہیں:

There was mosque, built by Nawab Sadiq Muhammad Khan II, inside the shrine. An Arabic Theological School was opened in the mosque by Nawab Sir Sadiq Muhammad Khan IV, and is still maintained. Its expenses were at first paid from the privy purse of the late Nawab, but according to the new scheme of educational reform inaugurated by colonel H. Grey, late superintendent in the state in 1899, the entire expenditure of the Theological schools formerly met from the Nawab's privy purse wa included in the state Educational Budget. [2]

قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ خود بھی تدریس کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے خلفاء کو کتب حقائق پڑھائیں۔ اسی طرح خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ جب دہلی سے واپس آئے تو انہوں نے مہار شریف میں قیام کیا۔ وہ وہاں خدا بخش مہار کی مسجد میں رہتے تھے۔ کچہری کے وقت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور علوم باطنی کی کتابیں پڑھتے تھے کبھی قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ خود بھی آپ کو ملنے کے لیے خدا بخش مہار کی مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ [3]

---

[1] ایضاً' ص ۳۴۱

[2] Bahawalpur state Gazetter, 1904, compiled and published Under the Authority of the Punjab Government (Lahore, 1906), P.178

[3] اس کی تفصیل درج ذیل کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حوالہ درج ذیل ہے:
نجم الدین سلیمانی' مناقب المحبوبین' مطبع محمدی' لاہور' ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء' ص ۱۱۲' ۱۱۴
مناقب المحبوبین' مکمل اردو ترجمہ از پروفیسر افتخار احمد چشتی' چشتیہ اکیڈمی' فیصل آباد' ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء:
ص ۲۳۰-۲۳۱' ۳۱۴

خلیفہ محمد باراں کلاچی کا قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیلِ علم

خلیفہ محمد باراں کلاچی (م: ۲۸ ربیع الاول ۱۲۵۴ھ/ ۱۸۳۸ء) نے اپنی تعلیم کے بارے میں تفصیل بیان کی کہ وہ اپنے استاد سے سبق پڑھتے تھے اور ان کے منع کرنے کے باوجود چھپ کر قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتے اور زوال کے وقت ان کو اپنا سبق سنایا کرتے تھے۔ ایک روز میرے استاد مجھے تلاش کرنے لگے اور مجھے قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پایا۔ اس سے وہ بہت خشم ناک ہوئے۔ مناقب المحبوبین کا متعلقہ اقتباس درج ذیل ہے:

میرا دستور تھا کہ میں اپنے استاد صاحب سے سبق لیتا تھا' اور اپنے استاد کی اطلاع کے بغیر حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر بوقت زوال وہ سبق آپ کو سناتا تھا۔ اس دن استاد محترم نے جب حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیکھا تو خشم ناک ہو گئے' مگر وہاں حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے لحاظ سے مجھے کچھ نہ کہا۔ جب رات ہو گئی تو میں نے آدھی رات کو جنگل کا راستہ لیا اور وہاں جا کر عبادتِ حق میں مصروف ہو گیا اور صبح صادق کے وقت اپنے مکان پر جا کر چارپائی پر سو گیا۔ جب میرے استاد نمازِ فجر کی امامت سے فارغ ہوئے اور میرے سونے کی کیفیت سے آگاہ ہوئے تو آ کر ایک چھڑی لے کر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زور لگا کر مجھے مارنے لگے' مگر وہ چھڑی میرے جسم پر نہ پڑی بلکہ چارپائی پر اس طرح پڑی کہ وہ چھڑی آدھی ٹوٹ گئی۔ انہوں نے آدھی مجھے پھر ماری' وہ بھی ٹوٹ گئی۔ میں جلدی سے اٹھا اور استاد کے خوف سے باہر بھاگ گیا اور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر یہ ماجرا بیان کیا۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہیں قاضی عاقل محمد صاحب کی طرف خط لکھ کر دیتا ہوں۔ کوٹ مٹھن میں جا کر علم پڑھو۔ میں حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق کوٹ مٹھن آ گیا اور علم حاصل کیا۔ [1]

[1] مناقب المحبوبین، ص ۳۴۱، مناقب المحبوبین، مکمل اُردو ترجمہ، ص ۶۱۲ - ۶۱۳ [کوٹ مٹھن میں قاضی محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ قائم کیا تھا جس میں علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ قاضی صاحب کے فرزند قاضی احمد علی کے ذمے مدرسہ کا انتظام و انصرام تھا۔ قاضی صاحب خود بھی اس میں پڑھاتے تھے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ بعد میں آئے گی]۔

قاری عزیز اللہ کا مدرسہ بنانا اور حسبِ ارشاد قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ تدریس قرآن میں مصروف رہنا

قاری صاحب قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو گئے۔ مہار شریف میں قیام کیا۔ وہاں آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا جہاں طلبہ کو درس دیتے تھے۔ یہ کام بھی قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے حسب ارشاد کرتے رہے۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ اپنے شیخ کے ایماء پر ہی مدرسہ قائم کیا۔

پروفیسر افتخار احمد چشتی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

قاری عزیز اللہ لاہور کے رہنے والے تھے۔ آپ کے دادا اپنے دور کے مشہور کاتب تھے۔ ایک لفظ کا معاوضہ روپیہ لیتے جو فن شناس بخوبی ادا کرتے۔ آپ کے نانا حافظ قرآن' صالح اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ دینی علوم سے فارغ ہوئے تو ایک وجدانی کیفیت طاری تھی۔ لاہور سے لالیکا منتقل ہو گئے اور ابراہیم جی کے ہاں قیام فرمایا۔ مگر مجذوبوں کی طرح پھرتے رہے۔ ایک بار پاکپتن شریف جاتے ہوئے حضرت قبلۂ عالم کا اس گاؤں سے گزر ہوا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یہاں ایک مجذوب قیام پذیر ہے جو کسی سے بات نہیں کرتا۔

آپ نے فرمایا: جاؤ میرا اُسے سلام کہو۔ لوگوں نے جونہی آپ کا سلام قاری صاحب کو پہنچایا' آپ دوڑتے ہوئے خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ قدم بوس ہوئے۔ سکر کی کیفیت جاتی رہی۔ بیعت سے مشرف ہو کر مہار شریف پہنچے اور وہاں کے ہو رہے۔ عرصہ دراز تک آپ مجاہدات اور عبادات میں مصروف رہتے۔ حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ تک جو امانت نسلاً بعد نسل پہنچی تھی' وہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے قاری صاحب کو عطا کر دی۔

بعد ازاں آپ قرآن پاک کی تدریس میں مصروف ہو گئے۔ ایک مدرسہ قائم کیا گیا جہاں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ طالب علم تھے۔ ہر روز نماز عصر سے فارغ ہو کر حضرت قبلہ عالم بھی تشریف لاتے۔ جمعہ کے تمام نذرانے آپ قاری صاحب کو دے دیتے۔ صرف جمعہ کے روز مرشد کے مکان پر حاضری دیتے اور ان سے روحانی فیض حاصل کرتے۔ آپ کا حلیہ مرشد کے حلیہ کے مطابق تھا۔ وصال کا وقت قریب آیا تو بالعموم زبان پر یہ شعر رہتا:

صورت از بے صورتی آمد پدید
باز شد کانا الیہ راجعون

آپ کی تاریخ وصال ۵ ذیقعدہ ۱۲۰۸ھ ہے۔ مدفن قبلۂ عالم کے روضہ شریف کی مشرق جانب درگاہِ معلیٰ کے احاطہ میں واقع ہے۔ [1]

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد فاضل نیکوکارہ کو تلقین کی کہ لوگوں کو دینی تعلیم دیا کرو

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفاء کو تحریک و تشویق دلایا کرتے تھے کہ لوگوں کو دینی تعلیم دیا کریں۔ چنانچہ ان میں محمد فاضل نیکوکارہ بھی شامل تھے۔ مخزنِ چشت میں اس بارے میں لکھا ہے:

آپ (قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ) کے خلفاء میں میاں محمد فاضل نیکوکارہ (م: ۱۲۲۷ھ/ ۱۸۱۲ء) تھے، جو صوری اور معنوی کمالات سے آراستہ تھے۔ انہیں علوم ظاہریہ اور علومِ باطنیہ پر پوری دسترس حاصل تھی۔ جب آپ نے قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی سعادت حاصل کی تھی، تو مرشد نے تلقین کی کہ لوگوں کو دینی علوم اور علم معرفت کی تدریس کو اپنا نصب العین بنائیں۔ چنانچہ آپ کی زندگی اسی نصب العین کی تکمیل میں بسر ہوئی۔ [2]

قبلہ عالم نے کتب تصوف کا مطالعہ کرنے کے لیے ارشاد کیا

نافع السالکین کے فارسی متن میں قبلۂ عالم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے۔ اُردو ترجمہ میں اس مقام پر اس عبارت کا ترجمہ نہیں ملتا:

ونیز فرمودند کہ مطالعہ کتاب فقرات مورثِ جذبہ است، سالک را باید کہ از مطالعۂ آں کتاب و دیگر کتابہائی سلوک خالی نباشد۔ [3]

ترجمہ: اور یہ بھی فرمایا کہ کتاب فقرات کا مطالعہ جذبہ پیدا کرنے والا ہے، سالک کو چاہیے کہ اس کتاب اور دوسری سلوک کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرے۔

---

[1] حضور قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ، احوال و مناقب، ص ۳۰۹۔۳۱۰

[2] امام بخش مہاروی، مخزن چشت مخطوطہ چشتیاں شریف مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی، ص ۲۱۰، مخزن چشت، مکمل اُردو ترجمہ از پروفیسر افتخار احمد چشتی، چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۳۱۴

[3] امام الدین، نافع السالکین، مطبع مرتضوی دہلی، ۱۸۹۲ء، ص ۱۸

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تین طلبہ حصولِ تعلیم کے لیے حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجے

سِرِّ دلبراں میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔ اس سے علم کی ترویج و اشاعت کا اظہار ہوتا ہے:

ایک دفعہ قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے میرے شیخ (حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس تین طالب علم بھیجے کہ اس دعا گو (خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ) کے سپرد کیے جائیں اور ان کی تعلیم میں کوتاہی نہ کی جائے۔ جب مجھے اس بات کا علم ہوا تو قبل اس کے کہ حضرت اقدس مسجد میں تشریف لاتے، میں نے حاضرِ خدمت ہو کر تسلی دی کہ ان کی تعلیم کی طرف پوری توجہ دی جائے گی۔ اس کے بعد حضرت اقدس (حافظ جمال اللہ) نے حضرت قبلہ مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خط لکھا کہ میں نے خدا بخش کو طالب علموں کے حوالہ کر دیا ہے۔ جب یہ خط حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا تو آپ اور دیگر حاضرین مجلس حیران ہو کر کہنے لگے کہ خوب ہے، استاد کو شاگردوں کے حوالے کر دیا ہے۔ غرض یہ کہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے۔ [1]

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو علم حاصل کرنے کی ہدایت

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی تو انہوں نے فرمایا:

آپ (قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ) نے یہی فرمایا کہ اے میاں! جہاں بھی علم حاصل کرتے ہو جاؤ پڑھو......۔ [2]

حضرت نور محمد نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۳ھ۔۱۲۰۵ھ/ ۱۷۲۱ء۔۱۷۸۹ء)

حضرت نور محمد نارووالہ کی تدریس کے حوالے ملتے ہیں۔ وہ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ ان کی تدریس کے متعلق چند حوالے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

---

[1] عبید اللہ ملتانی، سرِ دلبراں، مطبع فیض عام پریس، لاہور، ۱۹۰۶ء، ص ۲۰۔ سرِ دلبراں، ترجمہ از واحد بخش سیال، صوفی فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۰۰ھ، ص ۸۳

[2] یار محمد ابن تاج محمد، انتخابِ مناقبِ سلیمانیہ، حمیدیہ سٹیم پریس، لاہور، ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء، ص ۱۲۔ منتخب المناقب (اردو ترجمہ) از اللہ بخش رضا، ملک محمد رفیق کھرسانواں، ملتان، س۔ن، ص ۴۶ [یہ انتخاب مناقب سلیمانیہ کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ ہے]۔

علوم ظاہری و باطنی کے عالم

حضرت نور محمد صاحب نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ قبلۂ عالم حضرت نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے عظام میں سے تھے۔ سب سے پہلے جو خلعتِ خلافت سے مشرف ہوئے آپ تھے۔ آپ عالم علوم ظاہری و باطنی صاحب وجد و سماع اور محرم رازِ قبلہ عالم تھے۔ [1]

حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ کا مولانا فخر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے علمی استفادہ کرنا

حضرت نور محمد نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ فخر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے چند کتب حقائق پڑھیں۔ اسی طرح انہوں نے تصوف کی کتابیں حضرت مہاروی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھیں۔ صاحب مناقب المحبوبین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ [2]

حکیم محمد عمر نے حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ سے کتاب فقرات پڑھی

خلاصۃ الفوائد میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ حکیم محمد عمر لکھتے ہیں:

یہ بندہ (حکیم محمد عمر صاحب خلاصۃ الفوائد) حضرت خلیفہ نور محمد نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کتاب فقرات پڑھ رہا تھا۔ ایک مسئلہ کے سمجھانے میں انہوں نے تامل کر کے فرمایا کہ یہ مسئلہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ غریب نواز سے پوچھیں گے۔ چنانچہ ایک وقت حضرت خلیفہ صاحب کی معیت میں حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ مذکور کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے اس مسئلہ کو ایک ہی اشارہ میں (حل کر دیا)......۔ [3]

مولوی محمد گھلوی حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرح لمعات از جامی پڑھتے تھے

خیر الاذکار میں لکھا ہے کہ مولوی محمد گھلوی (صاحب خیر الاذکار) حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] مناقب المحبوبین (فارسی)، ص ۱۰۶، مناقب المحبوبین، مکمل اُردو ترجمہ، ص ۲۲۲

[2] مناقب المحبوبین (فارسی، ص ۱۱۲، ۱۱۸۔ مناقب المحبوبین، مکمل اُردو ترجمہ، ص ۲۳۰۔۲۳۱، ۲۴۰۔۲۴۱ (تفصیل کے لیے ان صفحات کو دیکھا جا سکتا ہے)۔

[3] حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ذخیرہ شیرانی، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۲۶۔ب۔ خلاصۃ الفوائد (اُردو ترجمہ از اختر الہ آبادی)، ص ۸۲۔۸۳

سے شرح لمعات از جامی پڑھتے تھے۔ [1]

حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حدیث کا مسئلہ حل کرنا

خیر الاذکار میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت دیگر علماء کے ساتھ مہار شریف کی طرف جا رہے تھے۔ شیخ واہن کی مسجد حافظ یحییٰ میں منزل کرنے کا اتفاق ہوا۔ حافظ یحییٰ عالم حدیث تھے۔ انہوں نے ایک حدیث کا مطلب پوچھا۔ علماء میں سے کوئی جواب نہ دے سکا۔ انجام کار حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ کی راہنمائی سے علماء نے یہ مسئلہ حل کیا۔ [2]

حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فقہی عبارت کا اشکال حل کرنا

یہ واقعہ بھی خیر الاذکار میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت قبلۂ عالم سیت پور میں تشریف لائے۔ ان کے ساتھ حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ مولوی علی محمد جیو نے فقہ کی ایک کتاب کی عبارت علماء کی خدمت میں پیش کی، اس کا معنی بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا تھا، مولوی محمد اکرم جیو نے بھی اس کا جواب نہ دیا۔ آخر وہ عبارت حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ نے اس عبارت کو اس انداز سے پڑھا کہ وہ اشکال حل ہو گیا۔ [3]

حالتِ وجد کے بعد تازہ وضو کرنے کا مسئلہ

خیر الاذکار میں اس مسئلے کی تفصیل موجود ہے۔ حضرت نارووالہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رشحات کے حوالے سے اس مسئلہ کا علمی انداز میں جواب دیا۔ [4]

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نور محمد نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ علوم ظاہری کے بڑے عالم تھے۔ فقہی اور دیگر مسائل کا حل کرنا ان کے علمی بلند مرتبے کو ظاہر کرتا ہے۔

---

[1] محمد گھلوی، خیر الاذکار، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ذخیرہ شیرانی، شمارہ ۶۲۷۰/۲، ورق ۹۔ب

[2] ایضاً، ورق ۲۲۔الف، ۲۲۔ب

[3] ایضاً، ورق ۲۲۔ب

[4] ایضاً، ورق ۲۸۔ب۔۲۹۔الف

حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۱ء)

حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا

اللہ بخش رضا اس سلسلے میں تذکرہ جمال کے مقدمہ بعنوان: عرض مترجم و اظہارِ خیال میں لکھتے ہیں:

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان میں اپنا ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ یہ مرکزی مدرسہ چاہ شاہی کے قریب شاہی مسجد میں قائم تھا جو آپ کے دربار کے سامنے ہے۔ رشد و ہدایت اور اصلاح و تبلیغ اور تربیت کے لیے ملتان کی مختلف مساجد میں آپ درس دیتے تھے۔ آپ کا مدرسہ علم و فضل کا اعلیٰ مرکز تھا۔ حضرت خواجہ گل محمد احمد پوری نے دو سال تک اس مدرسہ میں پڑھا تھا۔ (تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۳۵) [1]

اس مدرسہ سے فیض حاصل کرنے والے

اللہ بخش رضا محولہ بالا مقدمہ میں مزید لکھتے ہیں:

حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہٗ کے فرمان کے تحت حضرت حافظ محمد جمال قدس سرہٗ نے ملتان ہی میں مسند ارشاد بچھائی۔ خلوص اور حقانیت کا یہ اثر ہوا کہ بہت جلد خلقت کا ہجوم ہونے لگا۔ گلشن ابرار اور انوار جمالیہ میں لکھا ہے:

جوق در جوق لوگ اور گروہ در گروہ بندے آتے اور جبینِ نیاز اس فلک پایہ شہنشاہ کے آستان پر جھکاتے تھے، یہاں تک کہ ملک کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء جن کی شہرت اور علو مرتبت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی، حضرت حافظ صاحب قدس سرہٗ کی بارگاہ میں علوم ظاہری اور باطنی کے لیے آتے اور زانوئے ادب طے کرتے تھے۔ بڑے بڑے متقی اور صوفی لوگ آپ کے آستان فیض پر آ کر چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے تھے اور اپنی اپنی استعداد اور ظرف کے مطابق اپنا اپنا نصیبہ حاصل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دنیا کے سرداروں اور سرکش

[1] اللہ بخش رضا، عرض مترجم و اظہارِ احوال، مشمولہ تذکرہ جمال، مترجم، ملتان، ۲۰۰۶ء، ص ۶

تاجداروں کو آپ کے در پر تعظیم و احترام سے سر جھکاتے دیکھا۔ ہر مذہب و ملت کے برگزیدہ اور مقبول لوگ آپ کی زیارت فیض بشارت کے لیے اکناف عالم اور اطرافِ جہاں سے رجوع کرنے لگے۔ [1]

علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے بھی حافظ صاحب کے مدرسہ سے فیض پایا تھا

کسی مدرسے کے معیار کا اندازہ ان اشخاص سے ہوتا ہے، جو وہاں سے تعلیم حاصل کر کے جوہر قابل بنے اور شہرت کی بلندیوں پر پہنچے۔ ان میں سے علامہ عبدالعزیز پرہاروی (م: ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) اور منشی غلام حسن شہید (م: ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۵ء) بھی شامل ہیں۔

تحفۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار میں یہ واقعہ لکھا ہے:

مولوی عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں نہایت غبی تھے اور بار بار کوشش کے ملکہ پیدا نہ ہوتا تھا۔ ایک دن مغموم ہو کر گوشے میں بیٹھے تھے۔ کتاب آگے رکھی تھی اور زار زار رو رہے تھے۔ اتفاقاً جناب حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں دیکھ لیا۔ ازراہِ مہربانی پوچھا کہ اے عبدالعزیز! کیوں مغموم ہو؟ عرض کی کہ جناب! سبق یاد نہیں ہوتے۔ فرمایا: ادھر آؤ اور میرے ساتھ سبق دہراؤ۔ مولوی صاحب نے جوں ہی سبق دہرانا شروع کیا، قدرتِ الٰہی سے تمام علوم عقلی و نقلی کے دروازے ان پر کھل گئے۔ چنانچہ پھر یہ حال تھا کہ جو کتاب جہاں سے مطالعہ کرتے، مطلب سمجھنے میں کچھ دشواری پیش نہ آتی۔ پھر تو ان کی ذکاوتِ طبع اور ذہنِ رسا کا چرچا چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ بے شمار علوم کے مصنف بنے اور درسیہ اور غیر درسیہ علوم کے اتنے نکتے حل کیے کہ جن کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ [2]

[1] اللہ بخش رضا، عرض مترجم و اظہارِ احوال، حوالہ سابق، ص ۵-۶، اس اقتباس کے لیے بنیادی ماخذ گلشن ابرار کے لیے درج ذیل حوالے دیکھیں: [گلشن ابرار، مخطوطہ چشتیاں شریف مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی، ص ۲۳۴۔ حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار، ص ۱۶۷۔ گلشن ابرار، ترجمہ از اللہ بخش رضا مشمولہ تذکرہ جمال، ص ۲۱-۲۲]

[2] گلشن ابرار (قلمی)، ص ۲۳۹، ۲۴۔ حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار، ص ۱۷۰-۱۷۱۔ اس واقعہ میں آخری فقرے کا ترجمہ محل نظر ہے۔ فارسی متن کے مطابق ترجمہ یہ ہوگا: علوم درسیہ و غیر درسیہ کے متعلق خود کتابیں تصنیف کیں۔ (ص ۲۴۰)

منشی غلام حسن شہید (م ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۵ء) کا حافظ صاحب کے مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنا

منشی غلام حسن شہید نے بھی حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ سے تعلیم حاصل کی اور پھر شہرت و ناموری میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ ڈاکٹر روبینہ ترین نے لکھا ہے کہ مدینۃ الاولیاء ملتان میں تیرھویں صدی کے نہایت اہم اور سر برآوردہ صوفیہ میں ایک نام منشی غلام حسن شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نامور خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ (ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ، ص ۳۴۷)۔ منشی غلام حسن شہید عالم، فاضل، دانشور، ادیب اور شاعر تھے اور انہیں اردو، سرائیکی، فارسی اور عربی زبان پر یکساں مہارت حاصل تھی۔ ان کے بارے میں ایک مفصل مضمون اس کتاب کے آخر میں دیا گیا ہے جو راقم السطور کا لکھا ہوا ہے۔

حافظ صاحب کا مولوی خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو تدریس کے لیے مقرر کرنا

نظم و نسق مدرسہ میں یہ امر اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ پڑھانے کے لیے قابل اساتذہ کو مقرر کیا جائے تا کہ ان کے شاگرد بخوبی اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہو سکیں۔ حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے انتظامی امور میں دلچسپی لیتے تھے۔ انہوں نے قبلۂ عالم سے مشورہ کر کے مولوی خدا بخش ملتانی کے ذمے تدریس کا کام لگایا تھا جن سے بہت سے طلبہ نے استفادہ کیا تھا۔ اس کی تفصیل گلشن ابرار اور دیگر مصادر میں موجود ہے۔ حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ جذب و سکر آپ (مولوی خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ) کے حال پر اتنا غالب ہوا کہ چلتے چلتے راستہ بھول جاتے تھے۔ ایک دن جناب حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی کیفیت حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے گوش گزار کی۔ فرمایا: ان کے اور تمام شغل معطل کرا دو اور صرف تدریس کے کام پر مامور کرو، جو ہر خاص و عام کے لیے بہرۂ تام کا موجب ہے۔ اس لیے مولانا صاحب اپنے بزرگوں کی ہدایت کے مطابق علومِ ظاہری کی تدریس میں مشغول ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، علم ہیئت، صرف و نحو، منطق و معانی، بدیع و بیان وغیرہ جملہ علوم متعارفہ کی تعلیم دیتے تھے اور لوگوں کی فیض رسانی میں مشغول رہے اور آپ کے علمی کمالات کے چرچے خاص و عام میں پھیل گئے۔ عنوان شباب سے لے کر اخیر بڑھاپے تک لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور

لوگوں کو فیض دینے میں کوئی بھی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ ہمیشہ رضائے الٰہی کے طالب رہے۔ ان لوگوں کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہے جنہوں نے آپ کے مدرسہ سے فارغ ہو کر دستارِ فضیلت باندھی۔ عام طالب علموں کا شمار نہیں۔ آپ جود و کرم اور فیض اتم کے ایک سمندر بے کنار تھے جن کے علوم کے سیلاب سے ہزاروں پیاسوں نے اپنی طلب اور شوق کی پیاس بجھائی۔ ان کے دل کا ایک ایک قطرہ درِ نایاب اور ان کے سینہ سے ایک ایک علم بحر قلزم تھا۔ [۱]

مولوی خدا بخش ملتانی (خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ) کی تعلیم و تدریس

مولوی خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ملتان میں حافظ صاحب کے مدرسہ کے منتظم و مدرس بھی تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ واحد بخش سیال سرِ دلبراں (اُردو) کے مقدمہ میں ان کی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرت خواجہ خدا بخش کی پیدائش ۱۱۵۱ھ میں بمقام تلمبہ ہوئی۔ آپ کے والد ماجد بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم تلمبہ ہی میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دار العلوم رحیمیہ میں داخل ہوئے۔ دہلی میں آپ کو بڑے بڑے علماء و مشائخ کا فیض صحبت حاصل ہوا۔ [۲]

---

[۱] گلشن ابرار (قلمی) ص ۴۰۰-۴۰۳، حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار، ص ۲۸۴۔ مخزنِ چشت (قلمی) ص ۴۴۲-۴۴۳۔ مخزن چشت (اُردو ترجمہ) ص ۴۴۲۔ ان بنیادی مصادر میں اس واقعہ کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

[۲] واحد بخش سیال چشتی، مقدمہ سرِّ دلبراں، ترجمہ واحد بخش سیال، صوفی فاؤنڈیشن، بہاولپور، ۱۴۰۰ھ، ص ۲۳ اس اقتباس میں مدرسہ رحیمیہ کا نام آیا ہے۔ ''ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں'' میں ابوالحسنات ندوی اس مدرسہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

دلی کا سب سے آخر الذکر لیکن کثیر المنافع مدرسہ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی کا ہے۔ یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پدر بزرگوار اور فتاویٰ عالمگیری کے جامعین میں تھے۔ یہی مدرسہ تھا جس کی آغوش میں شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، شاہ اسمٰعیل، شاہ اسحٰق، شاہ عبدالقادر وغیرہ علمائے کرام پل کر جوان ہوئے اور باری باری اس کے مسند درس پر متمکن ہوئے۔ یہی وہ سرچشمہ فیض ہے جہاں سے حدیث نبوی کے برکات تمام گوشہ ہائے ہند میں پھیلے۔ اس مدرسہ کی مٹی ہوئی یادگار اب تک دلی میں باقی ہے۔ [بحوالہ ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں (وکیل بکڈپو امرتسر، ۱۳۴۱ھ)، ص ۲۹]

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظم و نسق مدرسہ

حافظ محمد جمال ملتانی کے مدرسہ کے بارے میں ڈسپلن (Discipline) کا ایک واقعہ انوار جمالیہ از منشی غلام حسن شہید میں لکھا ہے۔ اس مدرسہ کے انچارج مولوی خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ تھے' اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس واقعہ کو اللہ بخش رضا کے اُردو ترجمہ انوار جمالیہ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف تدریس کا کام کرتے تھے بلکہ مدرسہ کے نظم و نسق پر بھی نظر رکھتے تھے۔ واقعہ یہ ہے:

ایک درویش منش طالب علم حضرت سراج العارفین مولوی صاحب (مولانا خواجہ خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ) جن پر اللہ تعالیٰ کی دائمی برکتیں ہوں کے مدرسہ متبرکہ میں علم حاصل کر رہا تھا۔ اتفاق سے (ان کی) ایک حافظ و قاری صاحب سے گفتگو ہوئی اور بات چیت میں حد سے تجاوز کر گئے۔ معاملہ مناظرے سے جھگڑے تک پہنچ گیا۔ وہ درویش بجائے اس کے کہ اپنی سرگزشت حضرت محبوب اللہ صاحب یا ان کے خدام کو عرض کرتا مگر بغیر اطلاع دیے وہ حضرت قبلہ مخدومی جناب حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ فلاں حافظ و قاری صاحب نے میری بے حرمتی کی اور حد سے تجاوز کیا۔ حضرت صاحب قبلہ مع خدام اسی وقت سنگھڑ کے سفر پر تیار ہو کر جا رہے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ نے کاغذ منگوایا اور سراج العارفین کو اپنے مبارک دستخط سے رقعہ تحریر فرمایا کہ ہم نے لنگر سے حافظ کا کھانا بند کیا' موقوف کیا اور اس کے اسباق معطل کیے ہیں۔ درویش نے جب یہ رقعہ مبارک سراج العارفین کو دیا اور انہوں نے پڑھا تو بید کی ٹہنی کی طرح کانپنے لگے اور حضرت مخدومی قبلہ کے عتاب سے نہایت خائف ہوئے جیسے کہ معتقد مریدوں کے عقیدے میں شیخ کا حکم ماننا فرض ہے۔ چنانچہ اسی دن حافظ کا سبق بند کر دیا اور اس کی غلطی کو معاف کرانے کے لیے سوچ بچار میں پڑ گئے اور ایک طریقہ تجویز فرمایا یعنی قصیدہ بہشتی کے اشعار حافظ مذکور کو یاد کرائے اور حضرت قبلہ مخدومی کے خدام کے پیچھے اسے روانہ فرمایا۔ اس نے کمر ہمت باندھی اور طلب کی وادی میں تیزی سے چل پڑا۔ جس جگہ پہنچے اتفاق سے حضرت قبلہ مخدومی کے خدام پہلے ہی موجود ہوتے۔ چنانچہ کئی جگہوں پر ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ آخر کار ظہر کے وقت ایک جگہ پہنچے جہاں حضرت مخدومی اور

ان کے خدام وضو کر رہے تھے۔ حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے' انتہائی خوش الحانی اور دلکش انداز میں عاجزی اور انکساری سے قصیدہ مذکور کے اشعار حضرت کی خدمت میں پڑھے۔

آخر کار حضرت کے چہرہ پر رحم کے آثار ظاہر ہوئے بلکہ انتہائی ذوق و شوق کا منظر رونما ہوا اور شفقت و کرم سے ان کی غلطیوں کو معاف فرمایا اور اس کے حال پر فیض کا دروازہ کھولا۔ خصوصی انعام اور لباس خاص عطا فرمایا۔ بعد ازاں شیریں الفاظ اور میٹھے محاورات سے بھرا ہوا لطف و مہربانی کا خط لکھ کر عنایت کیا۔ حضرت محبوب اللہ کو لکھا کہ اس پر پہلے سے زیادہ توجہ دیں۔ سبق اور کھانے وغیرہ میں بھی اضافہ کریں۔ اس واقعہ کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت قبلہ مخدومی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر معاملہ میں حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ [1]

مولوی خدا بخش کا خیر پور ٹامیوالی میں متمکن ہونا

ڈاکٹر روبینہ ترین اپنی کتاب بعنوان ''ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ'' میں لکھتی ہیں:

ڈاکٹر مہر عبدالحق کا کہنا ہے کہ مولوی خدا بخش صاحب' حافظ جمال اللہ کے قائم کردہ مدرسہ عالیہ کے اول مدرس اور مہتمم و منصرم تھے۔ آپ نے ملتان میں سالہا سال رشد و ہدایت کے سلسلے کو نہایت کامیابی سے چلایا۔ پھر جب ملکی حالات خراب اور بدامنی انتہا کو پہنچ گئی تو حافظ صاحب نے انہیں نقل مکانی کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ بہاولپور کے بے آب و گیاہ ریگزاروں کی طرف شمع ہدایت و تبلیغ لے کر چل پڑے اور خیر پور ٹامیوالی میں متمکن ہو گئے جہاں انہوں نے مدرسہ قائم کیا۔ [2]

---

[1] منشی غلام حسین شہید ملتانی' انوارِ جمالیہ (فارسی)' ترجمہ اللہ بخش رضا' مشمولہ تذکرہ جمال' مترجم' ملتان' ۲۰۰۶ء' ص ۶۳-۶۵

[2] روبینہ ترین' ڈاکٹر' ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ' بیکن بکس' ملتان' ۱۹۸۹ء' ص ۲۹۹ [بحوالہ ملتان کے اسلامی دورِ حکومت کے انحطاط کی چار عظیم شخصیتیں' ص ۶ مطبوعہ امروز ملتان نمبر ۱۹۷۸ء]

مولوی خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خیر پور ٹامیوالی میں منتقل ہونے کے متعلق حافظ صاحب کی پیشین گوئی

حافظ محمد جمال ملتانی کا علمی مرکز ملتان سے خیر پور ٹامیوالی میں منتقل ہونے کے متعلق پیشین گوئیاں ملفوظات میں موجود ہیں۔

گلشن ابرار میں لکھا ہے:

انوار جمالیہ میں لکھا ہے کہ ایک بار جناب حافظ صاحب نے اپنے غلاموں سے کہا کہ عالم رویاء میں مجھے دکھایا گیا ہے کہ قضاء وقدر کے فرشتے میرے فیض کو خیر پور کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حافظ محمد سعید کہتے ہیں کہ میں نے جناب حافظ صاحب کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: ہمارے دین کا علم خیر پور شریف میں چلا گیا ہے' میں حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ جب جناب حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہار شریف کی طرف تشریف لاتے تھے' تو فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ خیر پور شریف میں ایک مکان بنواؤں اور وہیں ڈیرہ ڈال دوں۔ الغرض ویسا ہی ظاہر ہوا جیسا کہ جناب کے ارشادات تھے۔ [1]

نواب بہاول پور محمد صادق خاں مولوی خدا بخش صاحب کو خیر پور لائے تھے

ملتان سے ہجرت کرنے کے بعد پہلے موضع دنیا پور المعروف راولے والہ میں کچھ دیر ٹھہرے اس کے بعد چیلا وہن میں ٹھہرے۔ [2]

اس حوالے سے گلشن ابرار میں لکھا ہے:

جب حضرت محبوب اللہ مولینا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کی خبر خان صاحب محمد صادق خاں والی ریاست بہاول پور کو پہنچی تو جناب نواب صاحب نہایت منت وزاری کے ساتھ ان کو خیر پور میں لے آئے۔ ان کے خدام کا روزینہ مقرر کیا اور لنگر شریف کا تمام خرچ اپنے ذمے لیا۔ حضرت مولانا صاحب مدتوں اس شہر میں رہے۔ خیر پور شریف ان کے وجود سے رشک گلزار ہو گیا۔ وہاں ایک موزوں مسجد' ایک محفوظ کنواں اور عمدہ مہمان سرائے فقراء کے

---

[1] گلشن ابرار (قلمی) ص ۴۱۴۔۴۱۵۔ حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار' ص ۲۹۲

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: حدیقۃ الاخیار' ص ۲۹۳

لیے حجرے اور دیگر لوگوں کے لیے عمارتیں تعمیر کیں۔ [1]

قاضی محمد عاقل (۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۴ء)

قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ نے دو مدرسے قائم کیے تھے

ذکر الاصفیا فی تکملہ سیر الاولیاء میں قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے:

سلطان الاولیاء کو علم دراست اور علمِ وراثت میں کمال حاصل تھا۔ اپنے زمانے میں مشرق سے غرب تک علمِ ظاہری میں کوئی ان کے برابر نہ تھا۔ اصول وفروع میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ جزوی مسائل میں آپ کی یادداشت کا یہ حال تھا کہ بغیر کتاب دیکھے ان کی وضاحت کر دیتے تھے۔ درس وتدریس سے آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ تدریس کے لیے آپ نے تبحر عالم مقرر کر رکھے تھے۔ جو طالب علم تعلیم پاتے تھے' ان کا وظیفہ مقرر تھا اور انہیں کھانا لنگر سے دیا جاتا تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھن سے شیدانی منتقل ہوئے تو دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم کیے اور لنگر بھی دونوں جگہ جاری رکھا۔ طلبہ کو ایک دو سبق خود بھی پڑھاتے تھے۔ [2]

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود بھی تدریس کا کام کرتے تھے

قاضی صاحب جن کتب کا درس دیتے تھے' ان میں علوم ظاہری اور تصوف وعرفان کی کتب شامل تھیں۔ ذکر الاصفیا فی تکملہ سیر الاولیاء میں ان کی تفصیل خواجہ گل محمد احمد پوری میں دی ہے۔ خواجہ گل محمد بھی اسی مدرسے میں پڑھتے تھے۔ [3]

---

[1] گلشن ابرار (قلمی)' ص ۴۱۷۔ حدیقۃ الاخیار' ص ۲۹۴۔۲۹۵ [قلمی نسخے میں مسجدے موزوں (موزوں مسجد) لکھا ہوا ہے]۔

[2] خواجہ گل محمد احمد پوری' ذکر الاصفیا فی تکملہ سیر الاولیاء' مطبع رضوی' دہلی' ۱۳۱۲ھ' ص ۱۳۹۔۱۴۰' ذکر الاصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء' ترجمہ مسعود حسن شہاب' اُردو اکیڈمی' بہاول پور' ۱۹۷۸ء' ص ۱۶۲

[3] علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تفصیل اس حوالے میں دیکھی جا سکتی ہے: ذکر الاصفیا فی تکملہ سیر الاولیاء (فارسی)' ص ۱۴۰۔ ذکر الاصفیا معروف تکملہ سیر الاولیاء (اُردو ترجمہ)' ص ۱۶۲

قاضی احمد علی اپنے والد (قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ) کے مدرسے میں پڑھاتے تھے

انتخاب مناقب سلیمانیہ میں لکھا ہے:

قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ نے کوٹ مٹھن میں جو مدرسہ قائم کیا تھا' اس کا بنیادی انتظام و انصرام ان کے بیٹے قاضی احمد علی (م:۱۲۳۱ھ) کے ذمے تھا' قاضی احمد علی مدرسے میں پڑھاتے بھی تھے۔ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مدرسے میں پڑھا تھا۔ قاضی احمد علی سے انہوں نے استفادہ کیا تھا۔ قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اوچ شریف میں خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت کیا تھا۔ اس وقت وہ اسی مدرسے میں پڑھتے تھے یعنی ظاہری علوم حاصل کرتے تھے۔ قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کے بعد ان کو اسی مدرسے میں تحصیل علم کی تاکید کی تھی اور بار بار کی تھی۔ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ [1]

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۱۸۳ھ-۱۲۶۶ھ/۱۷۷۰ء-۱۸۵۰ء)

تعمیر مدارس

ڈاکٹر محمد حسین للہی خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدارس تعمیر کروانے کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[1] انتخاب مناقب سلیمانیہ' ص ۱۳-۱۴' منتخب المناقب (اُردو ترجمہ)' ص ۶۴ [قاضی احمد علی کے بارے میں ذکر الاصفیا تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے: آپ جملہ علوم کے ماہر [ا] اور سراپا حلم و اخلاص تھے۔ ہر خاص و عام کے ساتھ خلق محمدی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ لباس سادہ پہنتے تھے اور ان کو علم جفر میں مہارت حاصل تھی (محولہ بالا' ص ۱۵۳۔ اُردو ترجمہ' ص ۱۷۴]

[ا] مذکورہ بالا کتاب کے مترجم نے اُردو ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے: آپ کے علمی تبحر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ آپ کے تلامذہ میں شامل تھے۔ آپ کو حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ آپ کی تاریخ وصال ۱۹ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ہے۔ مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔ (ص ۱۷۴)

اس کے ساتھ آپ نے اپنے مشائخ سلسلہ کی طرح وسیع پیمانہ پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آہستہ آہستہ بہت سے بلند پایہ علماء آپ کی خانقاہ میں مستقل طور پر آ کر مقیم ہو گئے جن کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی اور ہزاروں طلبہ ان سے استفادہ کرنے لگے۔ [1]

تونسہ شریف میں قیام مدارس

حضرت خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ جب کوہ گڑ گوجی سے اتر کر ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء میں تونسہ شریف میں آ کر مقیم ہوئے اور آپ کو جمعیت نصیب ہوئی اور دور دراز سے علماء اور فقراء آپ کی خدمت میں آ کر مقیم ہوئے تو آپ نے پہلا کام اجرائے مدارس کا کیا۔ تونسہ شریف میں آپ نے اپنی سرپرستی میں متعدد مدارس قائم کیے جس کی تفصیل مسٹر ایچ' ایف' فاربس ڈسٹرکٹ سیشن جج ملتان کے فیصلہ (بمقدمہ تونسہ) کے ایک اقتباس سے معلوم ہوتی ہے۔ [2]

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تونسہ میں پچاس استاد تھے

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کا اثر تھا کہ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مدارس تونسہ میں قائم کیے۔ مسٹر ایچ' ایف' فاربس ڈسٹرکٹ جج ملتان کے فیصلہ (بمقدمہ تونسہ) کے ایک اقتباس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے لکھا:

انہوں (خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ) نے اغراض مذہبی کے لیے مدارس جاری کیے اور وہ لوگ جو زیارت کے لیے اور مرید بننے کے لیے آتے تھے' ان کو مذہبی تعلیم دیتے تھے اور ان کے لیے سہولتیں مہیا کرتے تھے۔ یہ تمام کارروائی زیر نگرانی شاہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوتی تھی اور امداد کنندگان ان کے خلفاء تھے۔ بڑے بڑے خلفاء کے نام سے اب تک وہ مکانات جو مسجد کے اردگرد ہیں موسوم ہیں گو اصلی مکانات سب شہید ہو چکے ہیں۔ احمد یہ بیان کرتا ہے کہ خواجہ اللہ بخش صاحب کے مکانات بنانے سے پہلے یہ زمین خالی تھی اور وہاں فقیروں کی جھنگیاں (جھونپڑیاں) تھیں۔ مکھڈی بنگلہ' محمد علی شاہ کا بنگلہ اور نیز اور بہت سے ناموں سے مکانات نامزد ہیں مثلاً مدرسہ مولوی محمد عمر' مولوی احمد صاحب کا بنگلہ' مدرسہ مولوی احمد بخش یہ تمام

---

[1] ڈاکٹر محمد حسین للہی' حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء' اسلامک بک فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۹۷۹' ص ۱۴۰

[2] ایضاً' ص ۲۹۲

صاحب خواجہ سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء تھے۔ پھر ملاحظہ ہو بیان نور محمد کا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دادا یہاں آیا اور پندرہ سال خواجہ محمد سلیمان صاحب اور پندرہ سال خواجہ اللہ بخش صاحب کی خدمت کرتا رہا۔ اس کو مولوی شیخ احمد کہتے تھے۔ اس کا ایک مدرسہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ خواجہ محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں پچاس استاد تھے' ان کے مکانات تھے۔ خواجہ صاحب کے لنگر سے ان کو کھانا ملتا تھا۔ (ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی' ص ۱۱-۱۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکھڈی بنگلہ' مولوی احمد کا بنگلہ' مدرسہ مولوی الٰہی بخش' مولوی شیخ احمد کا مدرسہ۔ یہ سب درس و تدریس کے الگ الگ حلقے تھے اور مجموعی طور پر پچاس استاد وہاں رہتے تھے۔ طلبہ اور اساتذہ سب کو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر سے کھانا ملتا تھا۔ صرف طلبہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار تک تھی (سیرت سلیمان' ص ۱۵۴)

البتہ تونسہ شریف جیسی بستی میں پچاس اساتذہ کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ تونسہ شریف اس علاقہ کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا اور دور دور سے شائقین علم وہاں جمع ہو کر علم دین حاصل کرتے تھے۔ آپ کے دور کے چند مشہور علماء کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا احمد تونسوی
(۲) مولوی محمد عابد سوکڑی
(۳) مولانا محمد حسین پیشاوری
(۴) مولانا محمد عمر صاحب
(۵) مولانا خدا بخش صابر
(۶) مولانا احمد یار پاک پٹنی
(۷) مولوی امام الدین پاک پٹنی
(۸) مولانا شیخ احمد
(۹) مولوی الٰہی بخش
(۱۰) مولوی خدا بخش بغلانی (ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی' ص ۱۱-۱۲) [1]

[1] ایضاً' ص ۲۹۲-۲۹۳

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدارس کا نظم و نسق

اس مرکز کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہاں تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ طلبہ سے کسی قسم کی فیس نہیں لی جاتی تھی بلکہ کھانے اور کپڑوں کے ساتھ کتابیں بھی مفت مہیا کی جاتی تھیں۔

مصنف مناقب سلیمانی لکھتے ہیں:

چندیں از علما نامدار و از فضلای ذوی الاقتدار کہ مستفیض از حاشیہ نشینان بساطِ مناط اند' ارشاد فیض حضرت خواجہ بہ تعلیم علوم شریفہ و فنون لطیفہ است' پس صدہا طالب علم بہ خاص تونسہ شریف زیر دامن عاطفت حضرت آمدہ و از حوائج خود فارغ البال بودہ تحصیل مطالب ارجمند و اکتساب مآرب دلبند می نمایند' زیرا کہ کتب تحصیل از آنحضرت خواجہ عطا شدہ اند و برائی طالب علمان روغن تلخ جہت مطالعہ کتب مقرر است۔ (مناقب سلیمان' ص ۳۴) [1]

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدارس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہوتی تھی

ان مدارس کی دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ شخصی ادارے ہونے کے باعث ان کے سرپرست کا کردار ان پر اثر انداز ہوتا تھا۔ چونکہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلفاء کا کردار بلند تھا اور ان کے قائم کردہ مدارس کا تعلیمی اخلاقی تہذیبی اور معاشرتی معیار بھی بلند تھا۔ ان مدارس میں صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ اعلیٰ درجہ کی تربیت بھی ہوتی تھی۔ یہی وہ وجہ کشش تھی جو اسلامی ممالک کے دور دراز گوشوں سے طالبانِ علم کو کھینچ کر ان مرکزوں میں لے آتی تھی۔

فیض اللہ خاں قصوری (مقدمہ تونسہ' ص ٦) لکھتے ہیں:

جب حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسہ میں مقیم ہوئے' تب تونسہ شریف کہلانے لگا اور آبادی اس جگہ آہستہ آہستہ بڑھنی شروع ہوئی۔ دور دراز سے لوگ ہجوم در ہجوم حاضر بحضور خواجہ شاہ سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہونے لگے۔ پنجاب' ہندوستان' بلوچستان' کشمیر' قندھار' عرب' افغانستان جمیع اطراف سے لوگوں کا ورود ہونے لگا۔ عربی' فارسی' حدیث' تفسیر' فقہ' سائنس (قدیم' فلسفہ) اور ہندسہ وغیرہ کی تعلیم اعلیٰ پیمانے پر دی جانے لگی۔ مشہور و معروف علماء دور

[1] ایضاً' ص ۲۹۳

دراز سے آکر اس جگہ مقیم ہوتے اور بڑی بھاری درس گاہ تونسہ میں قائم ہوگئی۔ ہردو تعلیم ظاہری و باطنی دی جاتی تھی۔ حضرت خواجہ شاہ سلیمان صاحب نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر فرمایا کرتے تھے اور ان کے دربار ذی وقار میں امیر و فقیر ہردو کے ساتھ یکساں سلوک برتا جاتا تھا۔ آپ شریعت کے عامل اور احکام محمدی کے پابند تھے۔[1]

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے

حضرت خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اپنے خلفا اور علماء کو تصوف کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔

خواجہ شمس الدین سیالوی فرماتے ہیں:

تیس کامل فضلا تونسہ شریف میں پڑھایا کرتے تھے اور ہر ایک استاد کے پاس بیس یا اس سے زیادہ اسباق ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے مشہور علماء ملک کے ہر چہار اطراف سے آتے اور درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ پھر خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کتب توحید یعنی لوائح (جامی) ولمعات (عراقی) بغل میں لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ جب مجھ پر نظر پڑتی، ہاتھ کے اشارہ سے اپنے پاس بلا کر سبق پڑھاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ تونسہ شریف کی خانقاہ، برعظیم پاک و ہند میں گذشتہ دو صدیوں میں صوفیہ کی خانقاہوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتی ہے۔ خانقاہ تونسہ شریف اور اس کی شاخوں میں اب تک علوم اسلامیہ کی تدریس جاری ہے۔[2]

دو ماہرین تعلیم کی بنگال اور پنجاب کے متعلق تعلیمی رپورٹس
(انیسوی صدی عیسوی کے آغاز میں)

یہ اقتباس بہت دلچسپ ہے۔ ۱۹ویں صدی عیسوی کے آغاز کے متعلق ہے جس میں بنگال اور پنجاب میں اسلامی مدارس کا سروے کر کے رپورٹس تیار کی تھیں۔ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

[1] ایضاً، ص ۲۹۳-۲۹۴
[2] ایضاً، ص ۲۹۴-۲۹۵

انگریزوں کے تسلط کے بعد دو یورپین ماہرین تعلیم ڈاکٹر لائیٹز اور مسٹر ایڈم نے پنجاب اور بنگال میں تعلیم کا جائزہ لے کر دو رپورٹس مرتب کیں۔ مسٹر ایڈم کا بیان ہے کہ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں بنگال میں ایک لاکھ مدرسے تھے اور لائیٹز کا اندازہ پنجاب کے متعلق یہ ہے کہ اس وقت پنجاب کے اکثر اضلاع میں تعلیمی نظام برطانوی عہد سے بھی زیادہ بہتر تھا۔ (مسلم ثقافت، ص ۶۷۵)

یہی وہ خانقاہی مدارس تھے جن کے متعلق انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی تعلیمی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور انگریز جنرل سالمن نے لکھا ہے: [سالمن] دنیا میں شاید ایسی قومیں بہت کم ہوں گی جن میں ہندوستانی مسلمانوں سے زیادہ تعلیم کا رواج ہو۔ ہر بیس روپے ماہانہ پانے والا شخص اپنے بیٹوں کو وزیر اعظم کے برابر تعلیم دلاتا ہے۔ ہمارے لڑکے جو علوم یونانی اور لاطینی زبانوں سے سیکھتے ہیں، یہاں کے نوجوان وہی کچھ یعنی گرائمر، بلاغت اور منطق وغیرہ عربی و فارسی کے ذریعے سے حاصل کرتے ہیں۔ سات سال کے مطالعہ کے بعد مسلمان نوجوان علم کی ان مختلف شاخوں سے قریب قریب اتنا ہی واقف ہو جاتا ہے، جتنا کوئی آکسفورڈ کا تعلیم یافتہ نوجوان۔ یہ بھی اس طرح سقراط، ارسطو، بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا کے متعلق بڑی روانی سے گفتگو کر سکتا ہے۔ (مسلم ثقافت، ص ۶۷۵)[1]

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسین کے لیے وظیفہ مقرر کر رکھا تھا

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے خواجہ سلیمان کے عہد تک تعلیم کے شعبہ میں یہ تبدیلی آتی نظر آتی ہے کہ مدرسین کے لیے تنخواہ (وظیفہ) مقرر کر رکھی تھی۔ ان کو رہائش کے علاوہ دیگر سہولتیں بھی ملتی تھیں۔ اس شعبہ میں کافی وسعت پیدا ہوئی اور اس کے نظم و نسق میں ارتقاء نظر آتا ہے۔ حاجی نجم الدین سلیمانی اپنی کتاب مناقب المحبوبین میں خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کی تفصیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

خانقاہ میں بہت سے مدرس تھے۔ ان علماء کے لیے معمول یہ تھا کہ ایک آثار (سیر) پختہ غلہ یومیہ اور ایک آثار پختہ روغن زرد ماہوار اور نیز ایک آثار پختہ روغن سیاہ مقرر تھا۔ ہر

[1] ایضاً، ص ۲۹۵

ششماہی پر انہیں نئی پوشاک دی جاتی تھی' ایک لنگی اور ایک گوسفند ہر سال ہر معلم کے نام مقرر تھی اور اگر فرقۂ علماء اور فقراء سے کسی کی شادی ہوتی تو اس کی حسب لیاقت و اہلیت نقد روپیہ حسب حال دس روپے سے لے کر سو روپے (تین چار سو روپے) عطا فرماتے تھے اور اسباب زیور و پوشاک اس کے علاوہ عطا فرماتے تھے۔ مندرجہ بالا ضروریات کے علاوہ ان کے اہل خانہ کے لیے غلہ اور روٹی ہر چھ ماہ میں اور گھی اور تیل نمک پہاڑی' ہلدی اور اس طرح کی دوسری ضروریات کی چیزیں ماہ بماہ بھجواتے تھے۔ [1]

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے تین خلفاء جنہوں نے پنجاب میں مدارس قائم کیے

خواجہ تونسوی کے درج ذیل تین خلفاء نے پنجاب میں مدارس قائم کیے اور گراں قدر تعلیمی خدمات سرانجام دیں۔

(۱) مولانا محمد علی مکھڈی (م ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء) ساکن مکھڈ شریف ضلع کیمبل پور

(۲) خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء۔ ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء)
[ساکن سیال شریف ضلع سرگودھا]

(۳) خواجہ فیض بخش للّٰہی (۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء۔ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء)
[ساکن للہ شریف ضلع جہلم] [2]

اب ان تینوں کے قیام مدارس کا مختصر ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد علی مکھڈی اور قیام مدرسہ

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالرسول صاحب سے حاصل کی۔ بٹالہ (ضلع گورداسپور' مشرقی پنجاب' انڈیا) میں میاں جنوۃ اللہ سے فن کتابت سیکھا۔ اس کے بعد سفر اختیار کیا اور میاں اسد اللہ بہاولپوری' میاں مصطفیٰ جی پشاوری' میاں مرتضیٰ صاحب

[1] مناقب المحبوبین' ص ۱۸۷' مناقب المحبوبین' مکمل اردو ترجمہ' ص ۳۵۳۔ ۳۵۴
فارسی متن کے الفاظ یہ ہیں: بحسب لیاقت و اہلیت وی نقد روپیہ از دہ تا سہ چہار صد کرم می فرمودند (ص ۱۸۷)

[2] ان کے سوانحی حالات کے لیے درج ذیل حوالہ دیکھا جا سکتا ہے:
حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء' ص ۱۸۹۔ ۲۳۰

جیالوی کی خدمت میں رہ کر عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ مولانا محکم الدین مکھڈی کی خدمت میں بمقام مکھڈ (ضلع کیمبلپور) حاضر ہوئے۔ مولانا محکم الدین متبحر عالم تھے۔ اس زمانہ میں ان کے علم کی بہت شہرت تھی' آپ عرصۂ دراز تک مولانا موصوف کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم کرتے رہے' حتی کہ مولانا محکم الدین مکھڈی کا انتقال ہو گیا اور مولانا محمد علی کو ان کا جانشین مقرر کر دیا گیا۔ [1]

تبحر علمی و شغل تدریس

آپ نے مکھڈ میں مستقل طور پر مقیم ہو کر سلسلۂ تدریس جاری کر دیا اور بہت جلد (پنجاب میں) آپ کے علم و فضل کا شہرہ ہو گیا۔ دور دراز کے شہروں کابل' بخارا' قندھار تک کے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہونے لگے۔

علم معقول یعنی منطق و فلسفہ میں آپ کی دسترس کی بڑی شہرت تھی۔ اس دور کے جید علماء' منطق و فلسفہ کے دقیق مسائل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حل کراتے تھے۔

آپ کے جانشین اول محمد عابد جی مہاروی رحمۃ اللہ علیہ' جانشین دوم مولانا زین الدین اور خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے نامور شاگردوں میں سے ہیں۔ [2]

مرشد کی تلاش اور بیعت

مرشد کی تلاش میں تونسہ شریف پہنچے۔ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ مجلس عام میں تشریف فرما تھے' مولانا صاحب سلام عرض کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا: مکھڈ سے۔ فرمایا: مکھڈ میں تو ایک مولوی رہتا ہے' جس کے علم کی بڑی شہرت ہے۔ مولانا نے عرض کیا: مولوی مولوی مجھے ہی کہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر کھڑے ہوئے' آپ سے معانقہ کیا اور اپنے پاس بٹھایا۔

مولانا محمد علی مکھڈی چھ ماہ تک متواتر حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر اکتسابِ فیض کرتے رہے' لیکن بیعت نہیں کی۔ چھ ماہ کے بعد حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو

[1] ایضاً' ص ۱۹۰۔ ۱۹۱

[2] ایضاً' ص ۱۹۱

ایک پیغام بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے:

اے صوفی یہاں کیوں آئے ہو، ہم تو رند مشرب لوگ ہیں اور آپ زہد و پارسائی کا دعویٰ رکھتے ہیں، ہمارا آپ کا کیا جوڑ۔ [1]

اس کے جواب میں مولانا محمد علی صاحب نے اسی وقت ایک رباعی، جو آپ کی طبع زاد تھی، لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیج دی۔

من برائے دین فروشی سوئے تو　　آمدم تا دین دہم بر روئی تو
ننگ و ناموسم نماند حبہ ای　　چون کہ پا انداختم در کوئی تو (۲)

دور رشد و ہدایت

• مکھڈ واپس پہنچ کر آپ نے سلسلۂ تدریس کے ساتھ سلسلۂ رشد و تلقین بھی جاری کر دیا اور اس علاقہ میں سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت کی، اس علاقے کے متعدد علماء آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، افادۂ عام کے لیے آپ نے ایک وسیع لنگر بھی جاری کیا اور علماء و طلبہ کے قیام و طعام کا بھی معقول انتظام کیا۔

حاجی نجم الدین سلیمانی مصنف مناقب المحبوبین، آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ایشان (مولوی محمد مکھڈی رحمۃ اللہ علیہ) عالم علوم ظاہری و باطنی بودند و صاحبِ وجد و سماع

مولانا محمد علی مکھڈی، علومِ ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور اہل وجد و سماع تھے [3]

---

[1] ایضاً، ص ۱۹٦۔ یہ ایک رباعی کا ترجمہ ہے۔ مناقب المحبوبین میں یہ رباعی اس طرح دی ہوئی ہے:

صوفی میا کہ مشرب رندانست مہیا　　اینجا شراب خواری و رندانست مہیا
ناموس پارسائی کردی تو مدتے　　این جا چہ کار داری رندانست مہیا

[مناقب المحبوبین (فارسی)، ص ۳۵۰]

[2] ایضاً، ص ۱۹۲۔ مناقب المحبوبین میں یہ رباعی اس طرح موجود ہے:

من برائی دین فروشی سوئی تو　　آمدم تا دین دہم بروئی تو
ننگ و ناموسم نماندحبہٴ　　چونکہ پا اندرزدم در کوئی تو

[مناقب المحبوبین (فارسی)، ص ۳۵۰]

[3] ایضاً، ص ۹۲ ۔ ۹۳

وفات

۲۹ رمضان المبارک ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں چند دن بیمار رہ کر حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں آپ کی وفات ہوگئی۔ مزار مبارک مکھڈ میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ [1]

مولانا زین دین (خلیفۂ دوم)

مولانا محمد علی مکھڈی کے پہلے خلیفہ محمد عابد جی (م ۱۲٦۲ھ/ ۱۸۴۵ء) تھے جن کو خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقرر کیا تھا۔ یہ مولانا محمد علی کے شاگرد تھے۔

ان کے دوسرے خلیفہ مولانا زین الدین (م ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷٦ء) تھے۔ ان کو بھی خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقرر کیا تھا۔ یہ بھی مولانا محمد علی مکھڈی کے شاگرد تھے۔

ان کے حالات کے متعلق ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی لکھتے ہیں:

مولانا زین دین ابن حافظ امیر گل کا آبائی وطن موضع انگہ (علاقہ سون) ہے نسلاً اعوان قطب شاہی ہیں۔ مولانا زین الدین نے ابتدائی تعلیم علاقہ سون میں مولوی غلام نبی اور مولوی محمد روشن سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مولانا محمد علی مکھڈی کی خدمت میں مکھڈ حاضر ہوئے۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد حضرت مولانا ہی کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور منازل سلوک طے کیں۔ اس عرصہ میں تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر اکتساب فیضِ باطنی کرتے رہے اور خلیفہ محمد عابد جی کی وفات ۱۲٦۲ھ/ ۱۸۴۵ء کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کا جانشین مقرر کیا۔ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی آپ کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے اور انہوں نے آپ کی شادی موضع انگہ (سون) میں آپ کے اپنے خاندان میں کرا دی تھی۔ مولانا زین الدین نے مولانا محمد علی کی زندگی ہی میں سلسلۂ تدریس شروع کر دیا تھا اور مسند ارشاد پر جلوہ افروزی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم ظاہر و باطن حاصل کرنے لگے۔ آپ کے حلقۂ درس نے کئی بلند پایہ عالم پیدا کیے جن کے علم و فضل کی اس علاقہ میں بڑی شہرت رہی۔

---

[1] ایضاً، ص ۱۹۳۔ ۱۹۴

مولانا زین الدین کی وفات ۱۳ محرم ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۶ء کو ہوئی اور مقبرۂ حضرت مولانا میں دفن ہوئے۔ [۱]

خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۲۱۴ھ-۱۳۰۰ھ/ ۱۷۹۹ء-۱۸۸۲ء)

خاندانی حالات

آپ کا نام شمس الدین اور والد کا نام میاں محمد یار ہے۔ میاں محمد یار کا شجرۂ نسب پانچویں پشت پر حضرت شیر کرم علی قادری سے جا ملتا ہے جو کہ اپنے زمانے کے مشہور بزرگ تھے۔ ان کا مقبرہ نواحِ سیال شریف میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ آپ قومیت کے لحاظ سے کھوکھر ہیں۔ کھوکھر پنجاب کی ایک معروف قوم ہے۔ خواجہ شمس الدین سیالوی ۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء میں موضع سیال (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔ [۲]

ابتدائی تعلیم و اعلیٰ تعلیم

آپ نے اپنے گاؤں میں قرآن مجید پڑھا۔ پھر اپنے ماموں میاں احمد دین کے ہمراہ موضع میکی ڈھوک (ضلع کیمبل پور) گئے اور فارسی ادب کی درسی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں مکھڈ چلے گئے اور حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کے مدرسہ میں متواتر تیرہ سال تک دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ منطق و فلسفہ کی کتابیں حضرت مولانا محمد علی مکھڈی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور فقہ کی تعلیم موضع اخلاص (ضلع کیمبل پور) کے مدرسہ میں دو سال تک مقیم رہ کر حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے پشاور چلے گئے اور مولانا محمد احسن معروف بہ حافظ دراز کی خدمت میں کچھ عرصہ قیام کر کے علمِ حدیث کی تکمیل کی اور حدیث کی سند اور روایت کی اجازت حاصل کی۔ [۳]

---

[۱] ایضاً، ص ۱۹۶-۱۹۷ [مولانا زین الدین کے زمانے میں مدرسہ کی ترقی کا حال محولہ بالا کتاب کے صفحات ۲۹۹ پر دیکھا جا سکتا ہے]۔

[۲] ایضاً، ص ۲۰۰

[۳] ایضاً، ص ۲۰۰-۲۰۱

بیعت

خواجہ شمس الدین سیالوی اپنے استاد مولانا محمد علی مکھڈی کے ساتھ تونسہ شریف میں پہنچے تو خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی اور مولانا محمد علی مکھڈی نے کچھ عرصہ کے بعد بیعت کی اور واپس مکھڈ آ گئے۔

خواجہ شمس الدین بیعت کے بعد بھی تحصیل علم میں مصروف رہے اور تکمیل علوم کے بعد تونسہ شریف چلے گئے اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مقیم ہو کر منازل علم و عرفان طے کرنے لگے۔ [۱]

قیام مدرسہ

خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ چھتیس سال کی عمر میں ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء میں جب خرقۂ خلافت حاصل کر کے سیال شریف میں مقیم ہوئے تو آپ نے اپنی سرپرستی میں ایک دینی مدرسہ بھی قائم کیا جس میں جید علماء تفسیر' حدیث' فقہ اور تصوف کے علاوہ فلسفہ و منطق وغیرہ علم معقول کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ ان علماء کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) مولانا حافظ عبدالجلیل قریشی

(۲) مولانا علم الدین مرولوی

(۳) قاضی میاں احمد نوشہروی

(۴) سید سعید احمد شاہ مؤلف مرأۃ العاشقین

خواجہ شمس الدین سیالوی کی وفات ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء کے بعد خواجہ محمد الدین سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے دور میں بھی مدرسہ حسب سابق جاری رہا۔ [۲]

---

[۱] ایضاً' ص ۲۰۱۔۲۰۲

[۲] ایضاً' ص ۳۰۰

فیض بخش للٰہی (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء)

خواجہ فیض بخش للٰہی (م ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) نے للہ شریف میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ پہلے ان کے مختصر سوانحی حالات درج کیے جاتے ہیں۔

ولادت و تعلیم

ڈاکٹر محمد حسین للٰہی اس بارے میں لکھتے ہیں:

خواجہ فیض بخش للہ (ضلع جہلم) کے مقام پر ۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء کے قریب پیدا ہوئے۔ خواجہ فیض بخش نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد فارسی وعربی کی ابتدائی درسی کتابیں اپنے خاندان کے بزرگوں سے پڑھیں۔ پھر گجرات (کاٹھیاوار) چلے گئے اور ایک عرصہ وہاں مقیم رہ کر علوم دینی کی تکمیل کی اور مروجہ علوم وفنون، معقول ومنقول میں مہارت حاصل کی۔ تحصیل حدیث کے لیے دہلی کا سفر کیا اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تکمیل کی اور سند حدیث حاصل کی۔ [۱]

فیض بخش للٰہی کی علم حدیث کی تعلیم

ڈاکٹر محمد حسین للٰہی اس کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

مکھڈ شریف اور سیال شریف کے بعد تیسرا علمی حلقہ للہ شریف میں قائم ہوا، جو خواجہ محمد سلیمان کے خلیفہ خواجہ فیض بخش نے قائم کیا۔ بارھویں صدی ہجری کے ابتدائی دور تک برعظیم پاک وہند میں علم حدیث کا عام چرچا نہیں تھا۔ عام طور پر علماء فقہ کی تعلیم کو انتہائی دینی تعلیم خیال کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۴ء) اور آپ کے صاحبزادگان نے علم حدیث کی اس ملک میں عام اشاعت کی، پنجاب میں سب سے پہلے تین بزرگواروں خواجہ فیض بخش للٰہی (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء)، مولانا غلام محی الدین بگوی (م ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء) اور مولانا احمد الدین بگوی (م ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء) نے دہلی جا کر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی

[۱] ایضاً، ص ۲۲۱

(م ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء) اور شاہ اسحٰق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ/۱۸۵۶ء) کی خدمت میں علم حدیث کی تکمیل اور ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء میں واپس لوٹ کر پنجاب میں ہزاروں کو علم حدیث کی تعلیم دی، خواجہ فیض بخش نے للہ ضلع جہلم میں اور مولانا غلام محی الدین اور مولانا احمد دین نے لاہور اور بھیرہ ضلع سرگودھا میں درس و تعلیم کا کام کیا۔ [۱]

[مذکورہ بالا تینوں بزرگ ہم عصر اور ہم وطن تھے، للہ اور بگہ میں صرف پانچ میل کا فاصلہ ہے۔]

خواجہ فیض بخش کے مدرسہ میں اساتذہ کے نام

خواجہ فیض بخش کے دور میں آپ کے علاوہ مندرجہ ذیل علماء بھی آپ کے مدرسہ میں تعلیم دیتے تھے:

(۱) مولانا الٰہی بخش کنڈلوی
(۲) مولانا شمس الدین کنڈلوی
(۳) مولانا امام الدین
(۴) سید عالم شاہ
(۵) مولانا محمد شریف [۲]

مولانا غلام محی الدین بگوی رحمۃ اللہ علیہ

گزشتہ اقتباس میں مولانا غلام محی الدین بگوی کا اسم گرامی بھی آیا ہے۔ انہوں نے لاہور اور بگہ میں درس وتدریس کے شعبے میں بہت خدمات سرانجام دیں۔ نقوش، لاہور نمبر (حصہ اول) میں مولانا محمد علم الدین سالک (م ۱۹۷۳ء) نے ایک مقالہ بعنوان علمائے کرام اور دینی مدرسے لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے مولانا غلام محی الدین بگوی کی علمی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ وہ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

ضلع جہلم میں ایک گاؤں بگہ ہے۔ یہ کسی زمانے میں بہت بڑا علمی مرکز تھا۔ یہاں ایک

[۱] ایضاً، ص ۳۰۱
[۲] ایضاً، ص ۳۰۱-۳۰۲

خاندان آباد تھا جس میں پشت ہا پشت سے حفاظ چلے آتے تھے اور ان میں سے اکثر صاحب تقویٰ اور سجادہ ہوتے تھے۔ مولوی محمد محی الدین بگوی بھی اسی خاندان سے تھے۔ آپ کے والد حافظ نور حیات آپ کے دادا حافظ محمد شفا اور پردادا حافظ نور محمد بگوی تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مولوی احمد دین بھی حافظ تھے۔ مولوی غلام محی الدین سوموار ماہ محرم ١٢٠٣ھ (١٧٨٨ء) میں پیدا ہوئے۔ حافظ حسن سے ناظرہ قرآن کریم پڑھا۔ قرآن کریم حفظ کرنے کا واقعہ بڑا عجیب وغریب ہے۔

صاحب حدائق الحنفیہ لکھتے ہیں:

آپ نے تھوڑے عرصہ میں قرآن کریم ختم کر لیا تھا' مگر حفظ نہیں کیا تھا' لیکن چونکہ آپ بڑے خوش آواز تھے' اس لیے جب رمضان آیا تو لوگوں نے آپ کے والد ماجد سے درخواست کی کہ اس رمضان میں غلام محی الدین سے قرآن سننا چاہیے۔ اس پر آپ کے والد نے پوچھا کہ تم قرآن شریف سنا سکو گے۔ آپ نے کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ ایک پارہ روز دور کر لیا کریں تو میں سنا دوں گا۔ اس طرح آپ نے اسی رمضان شریف میں قرآن شریف حفظ کر لیا اور سنا دیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ تمام دن میں یاد کر لیا کرتے تھے۔ فرمایا: نہیں صرف چاشت کے وقت تک ایک پارہ حفظ ہو جاتا تھا۔[1]

آپ نے علمائے پنجاب سے پڑھنا شروع کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر آپ چھوٹے بھائی احمد دین کو ساتھ لے کر دہلی پہنچے اور بارہ سال تک تحصیل علم میں مصروف رہے۔ علم حدیث دونوں بھائیوں نے شاہ عبدالعزیز مولوی محمد اسحاق محدث دہلوی سے پڑھا۔ وہ آپ کی ذہانت سے متاثر ہو کر شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں لے گئے۔ انہوں نے حدیث کے متعلق بہت سے سوالات کیے جن کا جواب آپ نے تسلی بخش دیا۔ شاہ صاحب بہت خوش ہوئے۔ آپ کے حق میں دعائے خیر کی اور سند حدیث بھی بخشی۔ جب آپ رخصت ہونے لگے تو نصیحت کی کہ وطن جا کر کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں میں تفرقہ پھیلے' جاؤ آپ سے

[1] محمد علم الدین سالک' علمائے کرام اور دینی مدرسے' مشمولہ نقوش' لاہور نمبر (حصہ اول) شمارہ ٩٢ (فروری ١٩٦٢ء)' ٥٣٢-٥٣٣

لوگوں کو بڑا فیض حاصل ہوگا۔[1]

مولوی غلام محی الدین کی درس وتدریس

آپ لاہور میں واپس آئے اور برابر تیس برس تک لال مسجد میں درس دیتے رہے۔ آخر مرض استرخا میں مبتلا ہو کر بگہ واپس چلے گئے۔ چودہ برس تک بیمار رہے اس حالت میں بھی درس کا سلسلہ جاری رکھا۔ سوموار کی رات ٢٩ یا ٣٠ شوال ١٢٧٣ھ (١٨٥٧ء) کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کے دو بیٹے تھے۔ دونوں نے علوم وفنون کی بڑی خدمت کی۔ ان میں مولوی غلام محمد لاہور کی شاہی مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرتے تھے اور مولوی عبدالعزیز بھیرہ کی جامع مسجد میں خطیب تھے۔ دونوں باپ کے سچے جانشین تھے۔[2]

مولوی احمد دین بگوی

آپ مولوی غلام محی الدین کے چھوٹے بھائی تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ آپ اپنے بھائی سے تیرہ برس چھوٹے تھے اور آپ کی وفات بھی بھائی کے تیرہ برس بعد ہوئی۔ آپ کی ولادت ١٢١٧ھ (١٨٠٢ء) میں ہوئی۔ آپ نے مطول اور شرح وقایہ تک اپنے بھائی مولوی غلام محی الدین سے پڑھا۔ پھر بھائی کے ساتھ دہلی چلے گئے۔ وہاں چودہ برس رہے اور مختلف علوم وفنون حاصل کیے۔ حدیث آپ نے شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی سے پڑھی اور ان ہی سے اجازت حاصل کی۔ آپ کی زندگی بڑے عجیب وغریب طریقے پر بسر ہوئی۔ یا تو آپ ذکر الٰہی میں مصروف رہتے یا چلتے پھرتے صحت و بیماری میں طالبانِ علم کو سبق پڑھاتے۔ آپ چھ مہینے بگہ میں درس دیا کرتے اور چھ مہینے لاہور میں۔ درس میں آپ اپنے بھائی مولوی غلام محی الدین کے شریک رہے۔ ہزار ہا عالم ان دونوں بھائیوں سے فیض یاب ہوئے۔ چونکہ آپ ہر وقت درس یا ذکر الٰہی میں مصروف رہتے اس لیے آپ نے بہت کم تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں جو اس وقت موجود ہیں۔ وہ بھی آپ کی نظر ثانی سے محروم ہیں۔ ''حاشیہ خیالی'' اور ''حاشیہ شرح ملا'' طبقہ علماء میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کا وصال ١٣ شوال ١٢٨٦ھ

[1] ایضاً' ص ٥٣٣

[2] ایضاً' ص ٥٣٣

(۱۸۷۰ء) کو ہوا۔ آپ کا مزار بگہ میں ہے۔ [۱]

اس کے بعد پروفیسر محمد علم الدین سالک نے اپنے زیر حوالہ مضمون میں حافظ ولی اللہ (۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء-۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان کے فتاویٰ بڑی قدر سے دیکھے جاتے تھے۔ عربی زبان پر اتنا عبور تھا کہ اگر کوئی عرب لاہور میں آتا تو گھنٹوں اس سے عربی میں گفتگو کرتے تھے۔ ان کا مزار فلیمنگ روڈ قلعہ گوجر سنگھ کے قریب ہے۔ آپ کے نام پر محلہ شاہ ولی اللہ بھی مشہور ہے۔ اس کے بعد سالک مرحوم نے مولوی غلام رسول جٹ محلیا کا مختصر ذکر کیا ہے۔ ان کی وفات ۱۲۴۰ھ/۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ [۲]

سکھوں اور انگریزوں کے عہد میں اسلامی مدارس کے خاتمے کی کوششیں اور ان کا نتیجہ

مولانا محمد علم الدین سالک اپنے مذکورہ مقالے میں لکھتے ہیں:

۱۸۴۹ء میں پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ اس سے پہلے سکھ یہاں حکمران تھے۔ ان کا دور حکومت خدا کا قہر تھا جو مسلمانوں پر نازل ہوا اور جس نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جھنجوڑ کر جگانے کی کوشش کی مگر نیند کے مارے ایسے سوئے کہ انہیں خبر تک نہ ہوئی کہ ان کے مٹانے کے لیے کیا ہو رہا ہے۔ سکھوں کی چند روزہ حکومت میں اسلامی ثقافت، تمدن، معاشرت اور تہذیب کو ملیا میٹ کرنے اور ان کے غیر فانی نقوش مٹانے اور ان کے علم و فن کو تباہ و برباد کرنے کی بے حد کوشش ہوئی مگر اس کے مٹانے والے خود مٹ گئے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں مسٹر آرنلڈ ڈائریکٹر سررشتہ پنجاب نے سب سے پہلی تعلیمی رپورٹ مرتب کی۔ اس میں اُس نے لکھا:

معلمی کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، مسلمان طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہندو طالب علموں کو بھی مسلم اساتذہ پر بے حد اعتماد ہے۔ وہ اسلامی مدارس میں بڑی کثیر تعداد میں فارسی پڑھتے ہیں۔ اگر اس چیز کو اسی حالت پر چھوڑ دیا گیا تو حکومت کی تمام طاقت مسلمانوں کے ہاتھ آ جائے گی۔ یہ ایک ایسا میلان ہے جسے بہت جلد روکنے کی ضرورت ہے۔

---

[۱] ایضاً، ص ۵۳۳

[۲] ان دونوں کے حالات محولہ بالا مضمون کے صفحات ۵۳۵ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

برطانوی حکومت نے مسٹر آرنلڈ کی نصیحت پر عمل کیا۔ چنانچہ اس کے چار برس بعد ۱۸۶۱ء میں کپتان فلر ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب و سرحد نے اپنی رپورٹ تیار کی تو اس میں لکھا:

مسلمان بکثرت ان درسگاہوں میں ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔ ان کی اکثریت بالکل واضح ہے۔ محکمہ میں تین سو چونتیس استاد مسلمان ہیں۔ گیارہ ہندو اور چھ دوسرے فرقوں کے۔ ابھی اس نسبت کو برابر کرنے کا موقع نہیں ملا۔ حلقہ انبالہ کے سوا دیسی زبانوں کی تعلیم ہر جگہ مسلم اساتذہ کے ہاتھ میں ہے جب تک یہ استاد ہر دلعزیز ہیں، ہم ان کی جگہ پر دوسری قوموں کے استاد مقرر نہیں کر سکتے۔ البتہ رفتہ رفتہ راستہ صاف کر کے تبدیلی کے امکانات پیدا کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں کو ٹریننگ سکول میں جانے کا شوق دلائیں اور جو سکول مسلمانوں کے تقرر پر زیادہ اصرار نہ کریں وہاں ہندو اساتذہ تعین کیے جائیں۔ [۱]

کپتان فلر کی تجویز پر عمل شروع ہو گیا اور اس کا اثر

کپتان فلر کی تجاویز پر فوراً ہی عمل درآمد شروع ہو گیا۔ مسلمان اساتذہ کی تعداد ہر طرح سے گھٹانے کی تجویزیں ہونے لگیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے شہروں اور صدر مقامات پر انگریزی مدارس بھی قائم کیے گئے جن کا سارا انتظام اور کام غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ پر یہ معلوم ہوا کہ نئے جاری شدہ اسکولوں کے چھبیس ہیڈ ماسٹروں میں کل تین مسلمان ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اس پالیسی پر عمل ہوتا رہا۔ واقعات اور حالات میں تغیر اور انقلاب پیدا ہوا، پچیس سال کے عرصے میں ہوا کا رخ بالکل بدل گیا۔ مسلمان اس میدان سے زبردستی نکال دیئے گئے۔ چنانچہ ۱۸۸۲ء کے بعد کی رپورٹوں کو اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پورے طور پر سامنے آ جاتی ہے کہ محکمہ تعلیم مسلمانوں سے یکسر خالی ہو گیا اور اگر کہیں خال خال مسلم اساتذہ نظر آتے تھے تو وہ صوبہ سرحد جو ان ایام میں سررشتہ تعلیم پنجاب سے وابستہ تھا اور ہندو اور غیر مسلم استاد وہاں جانے سے گھبراتے تھے۔ [۲]

---

[۱] ایضاً، ص ۵۳۶-۵۳۷

[۲] ایضاً، ص ۵۳۷

پنجاب میں تعلیمی انحطاط کے دور میں مسلمانوں نے انجمنیں قائم کیں اور تعلیمی ادارے بنانے شروع کیے

مولانا علم الدین سالک نے زیر نظر مضمون کے آخر میں لکھا ہے کہ اس تعلیمی انحطاط کے دور میں مسلمانوں کو احساس ہوا کہ تعلیمی میدان میں کام کرنا چاہیے ورنہ ہم ہندوؤں اور دیگر قوموں سے بہت پیچھے رہتے جارہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے لاہور میں انجمن حمایت اسلام قائم کی۔ اس نے عیسائیت کی تعلیم روکنے کے لیے کاوش کی اور اس کے علاوہ تعلیمی ادارے بھی قائم کیے مثلاً اسلامیہ کالج ریلوے روڈ وغیرہ وغیرہ دیگر ادارے بھی بنائے۔ مدرسہ حمیدیہ بھی بنایا۔ یہ مدرسہ حمیدیہ لاہور کے ایک بہت بڑے عالم اور مفتی قاضی حمید الدین کے نام پر قائم ہوا' قاضی حمید الدین انجمن حمایت اسلام کے بانیوں میں سے تھے۔ خلیفہ شجاع الدین مرحوم انہی کے پوتے تھے۔ یہ مدرسہ بیسویں صدی کے پہلے عشرے تک بڑی آب و تاب سے کام کرتا رہا۔ بعد میں نامساعد حالات کی وجہ سے بند ہوگیا۔ اس مدرسہ کے اساتذہ میں قاضی حمید الدین کے علاوہ مولانا غلام اللہ قصوری' مفتی محمد عبداللہ ٹونکی' علامہ اصغر علی روحی' کلیم مصطفٰے اور مولانا محمد ذاکر بگوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ [1]

پروفیسر محمد علم الدین سالک نے انجمن نعمانیہ کا ذکر بھی کیا اور اس کی خدمات کا حال بیان کیا ہے:

انجمن (حمایت اسلام) کے دوش بدوش ایک اور انجمن قائم ہوئی جو اب تک موجود ہے۔ اس درسگاہ نے ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں جنم لیا۔ اس کے بانیوں میں مولوی خلیفہ تاج الدین' علامہ حکیم سلیم اللہ' حافظ عمر الدین' ڈپٹی غلام حسین' مولوی محرم علی چشتی' منشی سراج الدین (جو بعد میں پوسٹ ماسٹر جنرل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے) تھے۔ یہ انجمن خالص مذہبی تعلیم کے لیے وجود میں آئی۔ اس انجمن نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ وہ اپنی درسگاہ کے لیے بہترین اساتذہ مہیا کرے جو راسخ العقیدہ حنفی ہوں۔ اس مقصد کے لیے اس نے تمام ہندو پاکستان کی وسعتوں سے جہاں بھی کوئی قابل' لائق' نیک دل عالم ملا' اس کی خدمات ہر قیمت پر حاصل کیں'

[1] ایضاً' ص ۵۳۸

انجمن کا دوسرا پہلو جو خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ وہ طلبہ کے طعام و قیام اور دیگر ضروریات کا بوجھ بھی اٹھاتی ہے۔ اس کے قبضے میں ایک عدیم النظیر کتب خانہ بھی ہے۔ اسے سرنو مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں کے فارغ التحصیل حضرات میں سید حافظ پیر جماعت علی شاہ علی پوری' سید مہر علی شاہ گولڑوی' مفتی محمد شریف محدث کوٹلی لوہاراں (سیالکوٹ)' پروفیسر سید محمد طلحہ ٹونکی' مولانا نور الحق (پروفیسر اورینٹل کالج) نے بڑی شہرت پائی ہے اور تمام عمر دین کی خدمت کرتے رہے۔ [1]

اسلامی مدارس کا نصاب

نصابِ درسِ نظامی

آج کل اسلامی مدارس میں درس نظامی کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے مرتب نظام الدین محمد سہالوی (م: ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) ہیں۔ نصاب کی تفصیل دینے سے پہلے مرتب کے خاندانی حالات تحریر کیے جاتے ہیں۔

خاندانی پس منظر

پروفیسر اختر راہی لکھتے ہیں:

برصغیر پاک و ہند کے مدارس عربیہ میں مروج نصاب تعلیم کو اس کے مرتب نظام الدین

[1] ایضاً' ص ۵۳۸۔ محولہ بالا اقتباس میں انجمن نعمانیہ کی درسگاہ کے نامور اساتذہ کے نام بھی دیے گئے ہیں۔ ان کو یہاں پر تحریر کیا جاتا ہے: شیخ الدین علامہ مفتی معین الدین اجمیری' سید محمد دیدار علی شاہ' مولانا عبدالحق سہارنپوری' مفتی محب النبی' محمد عبداللہ ٹونکی' مولانا غلام مرشد اور قاضی سراج احمد۔ مولانا علم الدین سالک نے دیگر مدارس کا ذکر بھی اپنے مضمون کے آخر میں کیا ہے جیسے اچھرہ میں حاجی قمر الدین مرحوم کا درس' دہلی دروازہ میں حزب الاحناف کا دار العلوم' شیرانوالہ دروازہ میں انجمن خدام الدین کا مدرسہ قاسم العلوم' اہل حدیث کا جامعہ سلفیہ' فیروز پور روڈ پر مفتی محمد حسن مرحوم کا جامعہ اشرفیہ' مزنگ میں مدرسہ عزیزیہ اور جامع حنفیہ' گڑھی شاہو میں جامعہ نعیمیہ وغیرہ۔ دینی علوم و فنون کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

محمد سہالوی کی نسبت سے درسِ نظامی کہا جاتا ہے۔ ملا نظام الدین محمد کا سلسلۂ نسب صحابی رسولؐ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ (ش ۵۱ھ) سے ملتا ہے۔ ان کے اسلاف میں ایک صوفی بزرگ شیخ الاسلام خواجہ ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری (م ۴۸۱ھ) گزرے ہیں جن کا مزار ہرات میں ہے۔ خواجہ صاحب کی اولاد سے ایک بزرگ ملا جلال الدین برصغیر میں آئے اور دہلی میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی یہی ملا جلال الدین مرتب درس نظام کے جد امجد ہیں۔ بعد میں ملا جلال الدین کی اولاد نے دہلی میں ترک سکونت کر کے قصبہ سہالی (ضلع بارہ بنکی) میں رہائش اختیار کر لی۔ [1]

ملا نظام الدین سہالی کے والد ماجد

پروفیسر مذکور ان کے حالات کے متعلق لکھتے ہیں:

ملا نظام الدین محمد سہالوی کے والد ماجد ملا قطب الدین عبدالحلیم بلند پایہ عالم تھے۔ وہ تخمیناً ۱۰۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ملا عبدالسلام ساکن دیوہ (م ۱۰۴۲ھ) کے شاگرد ملا دانیال چوراسی اور شیخ محب الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) کے شاگرد قاضی گھاسی الہ آبادی سے اصول فقہ منطق و فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی تھی۔

تعلیم سے فارغ ہو کر ملا قطب الدین نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ان سے بارہا ملاقات کی خواہش ظاہر کی، مگر انہوں نے بادشاہ کے دربار سے دور مسند علم و درس کی زینت رہنا پسند کیا۔

قصبہ سہالی میں ان کی کاشت کاری تھی جس پر گزر بسر ہوتی تھی مگر زمینوں کی شراکت کے سلسلہ میں عثمانی برادری کے بعض افراد اور ان کے خاندان کے درمیان جھگڑا ہو گیا جو کسی ایک روز عثمانی برادری کے چند افراد نے ان کے مکان پر شب خون مارا، ان کو قتل کیا اور مکان نذر آتش کر دیا۔ یہ حادثہ ۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ/ ۲۱ مارچ ۱۶۹۲ء کو وقوع پذیر ہوا۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ گھر کے سامان کے ساتھ ملا قطب الدین کا حاشیہ عقائد دوانی بھی جل کر راکھ ہو گیا۔ [2]

[1] اختر راہی: تذکرہ مصنفین درس نظامی لاہور: مکتبہ رحمانیہ ۱۹۷۸ء ص ۱۳

[2] ایضاً ص ۱۳-۱۴

ملا قطب الدین کی تصنیفات

ملا قطب الدین کی مندرجہ ذیل تصنیفات کے نام ملتے ہیں، مگر ان کا کوئی نسخہ کسی معروف کتب خانہ میں نہیں پایا جاتا:

(۱) حاشیہ شرح عقائد دوانی
(۲) حاشیہ تلویح
(۳) حاشیہ العقائد النسفی
(۴) حاشیہ تفریعات بزدوی
(۵) حاشیہ مطول
(۶) رسالہ فی تحقیق دار الحرب
(۷) حاشیہ شرح حکمت العین [1]

ملا قطب الدین کی اولاد

ملا قطب الدین کے چار بیٹے۔ ملا محمد اسعد، ملا محمد سعید، ملا نظام الدین محمد اور ملا محمد رضا تھے۔ ملا محمد سعید نے والد ماجد کی شہادت پر بادشاہِ وقت اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے فریاد کی، جس نے انہیں سکونت کے لیے لکھنؤ میں فرنگی محل کا علاقہ دے دیا اور ملا قطب الدین کی اولاد نے یہاں رہائش اختیار کر لی۔

ملا قطب الدین کے چاروں بیٹے اپنے والد کے صحیح معنوں میں جانشین تھے۔ انہوں نے اپنے خاندان کی علمی و دینی روایات قائم رکھیں۔ تاہم ان میں شہرت دوام ملا نظام الدین محمد کو حاصل ہوئی۔ [2]

ملا نظام الدین محمد

ملا نظام الدین محمد، ملا قطب الدین کے تیسرے فرزند تھے۔ وہ ۱۰۸۸ھ/ ۱۶۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ والد کی شہادت کے بعد امان اللہ بناری

[1] ایضاً، ص ۱۴

[2] ایضاً، ص ۱۴-۱۵

(م ۱۱۳۳ھ) ملا علی قلی جائسی اور ملا غلام نقشبند (م ۱۱۲۶ھ) سے استفادہ کیا۔ فارغ التحصیل ہوکر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ سینکڑوں افراد نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کی مجالس درس کے سامنے علاقہ بھر کی مجالسِ تدریس ماند پڑ گئیں۔ [1]

بیعت و تاریخ وفات

ملا نظام الدین محمد نے حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی (م ۵ شوال ۱۱۳۵ھ) سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی۔ ملا موصوف کو شاہ عبدالرزاق بانسوی سے خلافت حاصل تھی۔ ملا موصوف علم و فضل اور ہجوم خلائق کا مرجع ہونے کے باوجود سادہ مزاج اور متواضع انسان تھے۔ غرورِ علم سے کوسوں دور تھے۔ یہی سبب ہے کہ اپنے مرتبہ نصاب میں اپنی کوئی کتاب شامل نہیں کی۔ [2]

تصانیف

ملا نظام الدین محمد کثیر التصانیف عالم تھے ان کی کتابوں کے بارے میں فضل امام خیرآبادی نے لکھا ہے:

تصانیف بسیار در علوم حکمیہ و اصول دارد

ان کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) رسالہ فی وضوء الرسول (حدیث)
(۲) مناقب رزاقیہ (ملفوظات شاہ عبدالرزاق بانسوی)
(۳) شرح التحریر فی اصول الدین (اصول فقہ) چند بار طبع ہو چکی ہے۔ یہ شرح مکمل نہ ہوسکی۔ بعد میں ملا عبدالعلی بحر العلوم نے پایۂ تکمیل تک پہنچائی۔
(۴) شرح مسلم الثبوت (اصول فقہ)
(۵) الصبح الصادق شرح منار الانوار (اصول فقہ)
(۶) حاشیہ علی حاشیہ قدیمہ علی شرح تجرید دوانی (کلام)

[1] ایضاً، ص ۱۵
[2] ایضاً، ص ۱۵-۱۶

(۷) حاشیہ شرح عقائد دوانی
(۸) شرح رسالہ مبارزیہ (کلام)
(۹) حاشیہ شمس بازغہ (فلسفہ)
(۱۰) حاشیہ شرح ہدایت الحکمت (فلسفہ) [1]

الشیخ عبدالاول الجونپوری اپنی کتاب مفید المفتی میں نظام الدین سہالوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

ملا نظام الدین سہالوی بن مولانا قطب الدین بڑے زبردست عالم فاضل کامل مکمل تھے۔ آپ نے علوم شیخ غلام نقشبند سے پڑھے اور شیخ عبدالرزاق بانسوی (م ۱۱۳۶ھ) کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ غلام علی آزاد کہتے تھے کہ آپ کی جبین انور پر نور قدس چمکتا تھا اور آپ سلف صالح کے طریقے پر ٹھیک ٹھیک تھے۔ آپ کی تصانیف سے شرح مسلم الثبوت اور حاشیہ صدرا ہے۔ [2]

نصاب درس نظامی

ابوالحسنات ندوی نے اپنی کتاب ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں' میں عربی کے قدیم نصاب کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ چوتھے دور میں درس نظامی کے نصاب کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ وہی نصاب ہے جو ملا نظام الدین سہالوی نے مرتب کیا تھا۔ ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ اس کی بنیاد ایسے مضبوط ہاتھوں سے ہوئی کہ باوجود امتداد زمانہ آج تک اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ملا صاحب شاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھے۔ اس نصاب کی مکمل صورت یہ ہوئی:

صرف میں میزان، منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصول اکبری، شافیہ
نحو میں نحو میر، شرح مائتہ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی
منطق میں صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی مع میر سلم العلوم
حکمت میں میبذی، صدرا، شمس بازغہ

[1] ایضاً، ص ۱۶-۱۷
[2] عبدالاول الجونپوری، مفید المفتی، آسی پریس، لکھنؤ، ۱۳۲۶ھ، ص ۱۳۳-۱۳۴

ریاضی میں خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس مقالہ اول، تشریح الافلاک رسالہ قوشجیہ، شرح باب اول چغمنی

بلاغت میں مختصر معانی، مطول تا ماانا قلت

فقہ میں شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخیرین

اصول فقہ میں نورالانوار، توضیح، تلویح، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)

کلام میں شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، میرزاہد، شرح مواقف

تفسیر میں جلالین، بیضاوی

حدیث مشکوۃ المصابیح [1]

دور پنجم کے ذیل میں ابوالحسنات ندوی نے کچھ تغیر کے ساتھ نصاب درج کیا ہے۔ یہ امتداد زمانہ کی وجہ سے ہوا۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

یہ دور اسلام تعلیم گاہوں کے زوال کا دور ہے۔ اس وقت ہندوستان میں اسلامی حکومت کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کی علمی و تعلیمی مجلسیں بھی غیر منتظم و پراگندہ ہو رہی تھیں۔ اس دور میں جو نصاب تعلیم متعین ہوا وہ دراصل پچھلے درسِ نظامی کی (بدلی) ہوئی صورت ہے اور وہی آج تک عام اسلامی تعلیم گاہوں میں رائج و شائع ہے۔

اس نصاب میں حسب ذیل فنون اور کتابیں شامل ہیں:

صرف: میزان، منشعب، پنج گنج، زبدہ، دستور المبتدی، صرف میر گذشتہ نصف صدی سے علم الصیغہ، فصول اکبری، شافیہ

نحو: نحو میر، مائۃ عامل، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی

بلاغت: مختصر معانی کامل، مطول تا ماانا قلت

ادب: نفحۃ الیمن، سبعہ معلقہ، دیوان متنبی، مقامات حریری، حماسہ

فقہ: شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخیرین

اصول فقہ: نورالانوار، توضیح، تلویح، مسلم الثبوت (آخر الذکر کتاب اصول فقہ میں

[1] ابوالحسنات ندوی: ہندوستان کی قدیمی اسلامی درسگاہیں، امرتسر: وکیل بک ڈپو، ۱۳۴۲ھ، ص ۱۰۲-۱۰۳

ہے۔ لیکن حصہ زیر درس درحقیقت علم کلام کا ٹکڑا ہے۔ اس لیے اس کو علم کلام میں سمجھنا چاہیے۔

منطق: صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، ملاحسن، حمداللہ، قاضی مبارک، میرزاہد رسالہ، حاشیہ غلام یحییٰ بر میرزاہد، ملا جلال اور کہیں کہیں بحرالعلوم، شرح سلم، حاشیہ عبدالعلی بر میرزاہد رسالہ اور شرح سلم ملا مبین بھی داخل نصاب ہے۔

حکمت: میبذی، صدر شمس بازغہ

کلام: شرح عقائد نسفی، خیالی، میرزاہد امور عامہ

ریاضی: تحریر اقلیدس مقالہ اولیٰ، خلاصۃ الحساب، تصریح شرح تشریح، شرح چغمنی

فرائضی: شریفیہ

مناظرہ: رشیدیہ

تفسیر: جلالین، بیضاوی تا سورۂ بقر

اصول حدیث: شرح نخبۃ الفکر

حدیث: بخاری، مسلم، موطا، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نصاب میں منطق کی جتنی کتابیں داخل ہیں۔ وہ علی العموم ہر درس گاہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ بخلاف اس کے ادب و حدیث کی جو کتابیں مندرج ہیں وہ ہر جگہ نہیں پڑھائی جاتیں۔ جس کسی کو ادب پڑھنے کا شوق ہوتا ہے، وہ کتب درسیہ کے علاوہ خارج اوقات میں ادب کی مذکورۂ نصاب کتابوں کو بھی پڑھتا ہے، بشرط کہ اس کو کوئی معلم ادب بھی مل جائے جو عموماً مدارس میں ناپید ہوتے ہیں۔

حدیث کے لیے دیگر کتب درسیہ سے فارغ ہو چکنے کے بعد ایسے مقامات کا سفر کرنا پڑتا ہے جہاں حدیث کے پڑھانے والے مل سکیں۔

اس بنا پر میرے خیال میں اس نصاب درس سے جو عموماً مدارس عربی میں رائج ہے، عملاً حدیث و ادب کی مذکورہ کتابوں کو خارج ہی سمجھنا چاہیے۔ [1]

[1] ایضاً، ص ۱۰۳-۱۰۶

مصنف (ابوالحسنات ندوی) نے اس نصاب پر تنقید بھی کی ہے اور اس کے نقائص کو گنوایا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ منطق کی کتابوں میں خلط مبحث ہے۔ منطق کی پندرہ کتابیں شامل ہیں جب کہ فن تفسیر کی صرف دو کتابیں لی گئی ہیں۔ حدیث اور تفسیر کو ادب اور عربیت سے مدد پہنچ سکتی ہے، لیکن اس کا حصہ بہت کم ہے۔ اس کے علاوہ اس میں تاریخ جغرافیہ علم اعجاز القرآن وغیرہ ضروری علوم وفنون بالکل نہیں ہیں۔ [۱]

تنقید کا جواب

اس تنقید کا جواب محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے درسِ نظامی مشمولہ بانی درس نظامی ملا نظام الدین محمد انصاری (فرنگی محلی) میں دیا ہے۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ اس میں معقولات کی تدریس پر ہی سارا زور صرف کر دیا گیا ہے اور علوم شرعیہ قریب قریب نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہندوستان میں بانی درس نظامی سے بہت پہلے معقولات کا خوب چلن ہو چکا تھا۔ درس نظامی اگرچہ ملا نظام الدین صاحب کی طرف منسوب ہے لیکن درحقیقت اس کی تاریخ ایک پشت اوپر سے شروع ہوتی ہے۔ درس نظامی ہی غالباً پہلا منظم نصاب ہے جس سے ہم متعارف ہیں جو اٹھارھویں صدی عیسوی (بارھویں صدی ہجری) میں پورے ملک میں رواج پذیر ہوا۔ درس نظامی میں حدیث کی صرف ایک کتاب شامل کرنے کے باوجود ملا صاحب پر درس گاہ فرنگی محل پر حدیث شریف سے بے نیازی یا نا آشنائی کا الزام خلاف واقعہ ہے ...... رہ گیا معاملہ تفسیر کا درس نظامی میں تفسیر کی دو ہی کتابیں جلالین اور تفسیر بیضاوی داخل تھیں، لیکن اس کا درس کس انداز کا ہوتا تھا؟ وہی انداز جو حدیث کی ایک کتاب مشکوۃ شریف کا تھا کہ ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ دیگر کتب تفسیر پڑھنے اور سمجھنے میں دقت نہ رہے ...... بہر حال درس نظامی ایسا درس ہے جس میں دینی اور دنیاوی تعلیم کی تفریق اس طرح نہیں ہے، جس طرح آج کے زمانے میں ایک طرف دنیاوی تعلیم کے فارغ ہیں تو دوسری طرف دینی علوم کے فارغ، اور ان دونوں گروہوں میں اتنی دوری ہے کہ ایک دوسرے کی جگہ لینے کا اہل ہی نہیں ہوتا ...... درس نظامی میں دینیات کا مختصر نصاب شامل کر کے اور دیگر علوم غیر

---

[۱] ان نقائص کی تفصیل محولہ بالا کتاب کے صفحہ ۱۰۶ اور ۱۰۷ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

دینیہ پر زیادہ توجہ کر کے ایک طرف یہ ملحوظ رکھا گیا کہ دینیات کی طرف رجحان رکھنے والوں کی راہ سے تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں، دوسری طرف دنیاوی عہدے حاصل کرنے کے خواہش مندوں کو بھی اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ نازک ترین عہدے (سفارت اور قانون، وکالت وغیرہ) کے پوری طرح اہل ثابت ہوں۔ [۱]

فارسی زبان وفنون کی تعلیم

اسلامی مدارس میں بچوں کو فارسی ادبیات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہ گویا ابتدائی یا اسکول کی تعلیم تھی۔

ابوالحسنات ندوی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

گذشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا تعلق عربی تعلیم سے ہے جو گویا کالج کی تعلیم تھی۔ ابتدائی تعلیم یا اسکول کی زبان مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں فارسی تھی، کیوں کہ حکمران جماعت کی مادری زبان فارسی تھی اور اس کے لیے ان کے عہد حکومت میں ابتدائی تعلیم اور کاروباری زبان بھی فارسی ہو گئی۔ یہ اسی کا بقیہ اثر ہے کہ ہم آج تک ہندوستان (موجودہ پاک وہند) کے مکاتیب و مدارس بلکہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں تک میں فارسی زبان کی تعلیم کا وجود پاتے ہیں۔ آج (۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء) سے پچاس برس پیشتر تک ہندوستان کے عام مراسلات اور خانگی خط و کتابت میں ہندوستان کے تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان فارسی ہی زبان استعمال کرتے تھے۔ [۲]

---

[۱] محمد رضا انصاری فرنگی محلی، بانی درس نظامی استاد الہند ملا نظام الدین محمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ (فرنگی محلی)، نظر ثانی اثر انصاری فیض پوری، شیخوپورہ: انصاری فاؤنڈیشن پاکستان فیض پور خورد، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵۷-۲۷۸۔ [یہ کتاب پہلے ۱۹۷۳ء میں لکھنؤ میں اتر پردیش اکادمی کے تعاون سے شائع ہوئی]۔ اس کتاب کے آخری حصے میں درس نظامی کا تعارف کروایا گیا ہے اور اس تنقید کا جواب دیا گیا ہے جو ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں کے صفحہ ۱۰۶ اور ۱۰۷ پر موجود ہے۔ اس جواب کا خلاصہ زیر حوالہ اس اقتباس میں دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے مذکورہ کتاب کے صفحات ۲۵۷ تا ۲۷۸ دیکھے جا سکتے ہیں۔

[۲] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، ص ۱۱۰

فارسی زبان وادب میں مسلمانوں کی مہارت

ابوالحسنات ندوی اس سلسلے میں مزید تحریر کرتے ہیں:

ہندوستان میں فارسی زبان اور اس کے فنون کی تعلیم کے نتائج وثمرات کیا ہیں؟ کیوں کہ ہر چیز کی کامیابی و ناکامیابی کا صحیح معیار اس کے نتائج وعواقب ہی ہوتے ہیں۔ فارسی لٹریچر کے دونوں حصے نظم ونثر کے ماہر وکامل مسلمانوں میں جتنے اشخاص پیدا ہوئے' یہاں پر ان میں سے صرف دو چار ایسے اشخاص کا تذکرہ کر دینا کافی سمجھتے ہیں جن کے فضل وکمال کا خود اہل زبان نے کاملین فن نے اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ ان کی تقلید و پیروی کو اپنا طغرائے امتیاز سمجھتے رہے۔ ہندوستان مسعود سعد سلمان' حضرت امیر خسرو' فیضی اور غالب پر جس قدر چاہے فخر وناز کر سکتا ہے۔ [۱]

فارسی نصاب درس

ندوی صاحب فارسی نصاب درس کے بارے میں لکھتے ہیں:

میں نے حتی الامکان بڑی تلاش وجستجو کی' لیکن تفصیل کے ساتھ فارسی کی متداول تاریخوں میں کہیں فارسی نصاب درس کا تذکرہ نہ ملا' ہاں اشخاص کے حالات' تذکرے اور دوسرے مختلف ذریعوں سے اجمالی طور پر صرف اتنا معلوم ہوا کہ

(نثر میں) نسخۂ قبلیہ' تعلیم عزیزی' دستور الصبیان' انشاء مادھورام' انشاء فائق' انشاء خلیفہ' رقعات عالمگیری' گلستان' ابوالفضل' بہار دانش' انوار سہیلی' سہ نثر ظہوری' وقائع نعمت خان عالی

(نظم میں) کریما' مامقیمان' خالق باری' بوستان' یوسف زلیخا' قصائد عرفی' قصائد بدر چاچ' دیوان غنی' سکندر نامہ وغیرہ

[۱] ایضاً' ص ۱۱۰-۱۱۱ [انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں فارسی شاعری کے حوالے سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان کے فارسی اشعار کی تعداد نو ہزار ہے اور اردو اشعار کی تعداد قریباً چھ ہزار ہے۔ ان کے پیغام کا عروج فارسی اشعار میں ملتا ہے اور خاص طور پر ان کی کتاب جاوید نامہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ فکرِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی پرواز اس کتاب میں انتہائی بلندی پر نظر آتی ہے۔ اسلامی ممالک بالکل پاکستان اور انقلاب ایران نے ان کی فکر سے بہت استفادہ کیا ہے۔ ان کو مصور پاکستان کہا جاتا ہے۔

(یہ) کتابیں عام طور پر پڑھائی جاتی تھیں۔ [۱]

مدارس عربیہ اور خانقاہی مدارس کے نصاب میں فرق

اسلامی دینی مدارس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (الف) مدارس عربیہ (ب) خانقاہوں سے منسلک مدارس یعنی خانقاہی مدارس۔ مدارس عربیہ کے نصاب پر گزشتہ صفحات میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اب درس نظامی' چند ترمیمات کے ساتھ' مدارس عربیہ میں رائج ہے۔ خانقاہی مدارس میں روحانی تربیت کی جاتی تھی اور روحانی ترقی کے لیے تصوف وعرفان کی ایسی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں جو اس عمل (Practice) میں ممد ومعاون ثابت ہوں۔ یہاں پر بالخصوص چشتی خانقاہی مدارس کے حوالے سے بحث کی جائے گی۔ شروع میں ذیل میں دیئے گئے نکات کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(الف) مشائخ طلبہ کو پہلے علوم ظاہری حاصل کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ پھر باطنی علوم کی تحصیل کے لیے راہنمائی کرتے تھے جیسا کہ قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو بار بار علوم ظاہری کی تعلیم کے لیے ہدایت کی اور اس مقصد کے لیے ان کو کوٹ مٹھن واپس بھیج دیتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک اور مثال بھی دی جا سکتی ہے کہ قبلۂ عالم نے خلیفہ محمد باراں کلاچوی' خلیفہ مجاز حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ' کو پہلے ظاہری علوم کی تکمیل کے لیے کہا اور ان کو کوٹ مٹھن بھیجا جہاں وہ کئی سال تک علوم ظاہری کی تحصیل میں مصروف رہے۔ ایک اور مثال ملفوظات میں ملتی ہے کہ قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تین طالب علم حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ وہاں جا کر علوم ظاہری حاصل کریں۔ ان تین مثالوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مشائخ چشتیہ یعنی حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علوم ظاہری کی تحصیل پر زور دیتے تھے۔

(ب) مدارس عربیہ اور خانقاہی مدارس کی تعلیم کے حوالے سے یہ نکتہ ابھر کر سامنے آتا

[۱] ایضاً' ص ۱۲۴ [اسی فارسی نصاب درس کے ذیل میں مصنف نے ایک مخطی کتاب بعنوان: خلاصۃ المکاتیب (۱۱۰۰ھ) کے حوالے سے تفصیل درج کی ہے۔ اس میں موضوعی عنوان کے تحت کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ یہ کافی مفصل فہرست ہے۔ موضوعی عنوان یہ ہیں: (۱) ادب وانشاء (۲) نظم ونثر (۳) افسانہ وحکایات (۴) تاریخ اور (۵) اخلاق۔ اس کی تفصیل محولہ کتاب کے صفحات از ۱۲۵ تا ۱۳۰ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

ہے کہ خانقاہی مدرسہ میں روحانی تربیت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ ایسے صوفیانہ مجاہدے (Mystic Practices) کروائے جاتے تھے جن سے ان (مخصوص طلبہ) کی روحانی ترقی ہو جب کہ مدارسِ عربیہ میں ایسا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔

(ج) اسی حوالے سے ایسی کتب بھی پڑھائی جاتی تھیں جن میں روحانی ترقی اور ان سے متعلقہ مسائل پر مباحث موجود ہوں۔ مسائل تصوف و عرفان کو سمجھانے کے لیے ان کتب کی تدریس کی جاتی تھی۔ یہ طریقہ ہمیں مولانا فخر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس سے لے کر خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس تک نظر آتا ہے' بلکہ اگر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ انداز تدریس شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (۱۰۶۰ھ/ ۱۶۵۰ء۔ ۱۱۴۰ھ/ ۱۷۲۹ء) سے لے کر خواجہ نظام الدین (مقیم حیدر آباد دکن' م ۱۱۴۲ھ) سے ہوتا ہوا مولانا فخر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۲۶ھ/ ۱۷۱۷ء۔ ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۴ء) تک پہنچا جو قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتا ہوا خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ تک نظر آتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس اندازِ تدریس و نصاب میں قدرے تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں۔ مدارسِ عربیہ کے نصاب میں بھی علوم ظاہری کے حوالے سے بعض تبدیلیاں ہوتی رہیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔

اب اس مبحث میں مولانا فخر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک ان کتابوں کا ذکر کیا جائے گا جو باطنی علوم کی تحصیل کے لیے پڑھائی جاتی تھیں۔ اس مبحث میں روایت میں تسلسل (Continuity) بھی نظر آئے گا اور جو تبدیلی (Change) ہوتی رہی' اس کی نشاندہی بھی کی جا سکتی ہے۔

(د) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور بات کو یہاں پر بیان کر دیا جائے کہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی علمی بنیاد (Spiritual Intellectual Foundation) فراہم کی جس پر بعد میں آنے والوں نے شاندار عمارت تعمیر کی۔ اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے باطنی تعلیم کے لیے ایسی کتب تحریر کیں جن کو بعد میں اس مقصد کے لیے تسلسل کے ساتھ پڑھایا جاتا رہا۔ ان میں کشکول' سواء السبیل' مرقع اور تسنیم وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا دہلوی رحمۃ اللہ علیہ' خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے چار بڑے خلفاء نے خود بھی ان سے استفادہ کیا اور اپنے خلفاء کو بھی ان سے استفادہ کروایا یعنی ان کی

تدریس کی۔ بعد میں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی ان قلمی کاوشوں کو بنظر استحسان دیکھا گیا اور ان کی تدریس میں ہمیں تسلسل نظر آتا ہے۔ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی آثار ایک ایسے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے مشائخ چشتیہ (بالخصوص پنجاب میں) نے نہ صرف روشنی حاصل کی بلکہ اس روشنی کو آگے پھیلایا۔ یوں پنجاب میں سلسلہ چشتیہ ارتقائی منازل طے کرتا گیا اور اب تک اس علاقے میں اس کی توسیع و اشاعت کو دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

اگرچہ اس کتاب کے حصہ اول میں چشتی صوفیہ اور کتابوں کا کلچر کے متعلق ایک مقالہ شامل ہو چکا ہے۔ اس مقالے کا اندازِ تحقیق اپنا ہے۔ یہاں پر صرف ان کتابوں کے عنوانات لکھے جا رہے ہیں جن سے تسلسل اور تبدیلی (Continuity and Change) کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے تین خلفاء کو حقائق کی تعلیم دیتے تھے۔ کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) لوائح (۲) سواء السبیل (۳) تسنیم

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو کتب تصوف پڑھائیں۔ ان کے عنوانات درج ذیل ہیں:

(۱) آداب الطالبین (۲) فقرات (۳) لوائح (۴) عشرۂ کاملہ اور (۵) فصوص الحکم۔

قبلہ عالم ان کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے:

(۱) لوائح (۲) نفحات الانس (۳) فقرات (۴) شرح لمعات (۵) سواء السبیل (۶) عشرۂ کاملہ (۷) فصوص الحکم۔

حضرت نور محمد نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نارووالہ رحمۃ اللہ علیہ تکرارِ کتب تصوف میں راہنمائی فرماتے تھے۔ یہ کتابیں قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفاء کو پڑھاتے تھے۔

(۱) لوائح (۲) سواء السبیل (۳) تسنیم (بشمول بہت سے رسائل)

(قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ) کے خلفاء ان سے سبق لے کر لوٹ آتے تھے اور ان اسباق کی

تصدیق / تکرار میاں صاحب (نارووالہ ؒ صاحب) سے کیا کرتے تھے۔ حضرت نارووالہ ؒ مولوی محمد گھلوی کو شرح از جامی پڑھاتے تھے۔

حافظ محمد جمال ملتانی ؒ

وہ کتب جن کا درس حافظ صاحب دیتے تھے یا ان کو پسند کرتے تھے:

(۱) نفحات الانس (۲) مثنوی شریف (مثنوی معنوی) (۳) لوائح جامی (۴) اشعۃ اللمعات (۵) فقرات (۶) فصوص الحکم۔

ان کتب میں (مثنوی مولانا روم ؒ) اور اشعۃ اللمعات از مولانا جامی کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ ایک تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ مولانا فخر دہلوی ؒ بھی مثنوی معنوی کا درس دیا کرتے تھے۔

قاضی محمد عاقل ؒ

قاضی محمد عاقل ؒ علوم ظاہری سے متعلقہ کتب کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ان کتب تصوف کو بھی پڑھاتے تھے:

(۱) لوائح (۲) شرح قصیدہ فارضیہ فخریہ (۳) سواء السبیل (۴) تسنیم اور (۵) فصوص الحکم۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ

خواجہ تونسوی ؒ کی تدریس کے متعلق مناقب المحبوبین میں تفصیل دی گئی ہے۔ علومِ باطنی کے سلسلہ میں جو کتابیں آپ پڑھاتے تھے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) آداب الطالبین (۲) فقرات (۳) لوائح (۴) عشرۂ کاملہ (۵) فصوص الحکم (۶) نقد فصوص (۷) احیاء العلوم (۸) فوائد الفواد (۹) سواء السبیل (۱۰) تسنیم (۱۱) فتوحات مکی (۱۲) نفحات الانس۔

اس فہرست کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کئی کتابوں کا اضافہ ملتا ہے، جن کتب کا اضافہ ملتا ہے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) آداب الطالبین (۲) نقد فصوص (۳) فوائد الفواد (۴) فتوحات مکی۔

صاحب نافع السالکین نے لکھا ہے کہ بندہ خواجہ سلیمان تونسوی ؒ کی خدمت میں مثنوی شریف پڑھ رہا تھا۔

اسلامی مدارس کے مالی وسائل

پنجاب میں اسلامی مدارس (مدارس عربیہ و خانقاہی مدارس) کے مالی وسائل کو جاننے کے لیے مغلیہ دور کے عہد حکومت میں جو جاگیریں وقف کی گئیں، ان سے واقف ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے وہ شاہی فرمان ہمیں ملتے ہیں جن کی وجہ سے قاضی محمد عاقل کے آبا و اجداد کو ایک بڑی جاگیر عطا کی گئی تھی۔ اس کی تفصیل بعد میں دی جائے گی۔ اس جاگیر کی آمدنی سے لنگر اور مدارس کا انتظام چلتا تھا۔ نواب بہاول پور نے بھی قبلۂ عالم کو جاگیر دی تھی جس کی آمدنی سے مدارس کا نظم و نسق چلتا تھا، دوسرے رئیس بھی نذرانے پیش کرتے تھے، دیگر فتوحات کا ذکر بھی ملفوظات کی کتابوں میں تحریر ہے۔ ان کے علاوہ مریدین بھی اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں نذرانے پیش کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سکھ راج اور برطانوی راج سے پہلے پنجاب کی چالیس فیصد زمین خانقاہوں اور مدارس کے نام وقف تھی۔ ان دو حکومتوں (سکھ راج اور برطانوی عہد) نے ان اوقاف کو ختم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی جس کی وجہ سے ان مدارس کا نظام بھی بری طرح متاثر ہوا۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں دی جائے گی۔

پنجاب میں سکھ راج

اس دور میں اسلامی اداروں کی زبوں حالی کا ذکر کتب تاریخ میں ملتا ہے، اسلامی مدارس کو بھی نقصان پہنچا۔ پس منظر کے طور پر پہلے اس تباہی کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سید مصطفیٰ علی بریلوی اپنی کتاب مسلمانانِ پنجاب کی تعلیم میں لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی قوت کو شدید نقصان پہنچا۔ اس طرح سکھوں کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو گیا۔ انہوں نے سارے ماحول کو زیر و زبر کر دیا۔ شاہی مسجد لاہور کو اصطبل میں تبدیل کر دیا۔ بے

شمار مساجد میں سرکاری میگزین قائم کر دیے گئے۔ مسلمانوں کو اذان دینے کے بنیادی حق سے بھی محروم کر دیا گیا۔ مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو سب کچھ فاتحین کے رحم و کرم پر تھی جو ہر قسم کی اخلاقی اقدار سے یک سو خالی تھے۔ [1]

مسلمانوں کے تاریخی آثار کی بربادی

لاہور جہاں سب سے زیادہ تاریخی آثار موجود تھے، (ان کو) چالیس سال تک مسلسل کھودا جاتا رہا۔ تاریخی عمارتوں کا سنگ مرمر امرتسر کی مذہبی عمارتوں کے کام آیا۔ مشہور سکھ دربار صاحب امرتسر، گولڈن ٹمپل میں مقبرہ آصف خاں اور مقبرہ نور جہاں کا سنگ مرمر استعمال کیا گیا۔ سکھوں کی خون آشامی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کاشت کاروں کے پاس صرف اتنا غلہ چھوڑتے تھے جس کی مدد سے وہ جسم و جاں کا رشتہ برقرار رکھ سکیں اور سونے کا انڈا دینے والی مرغی کا کردار ادا کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ ایک کوڑی بھی رعایا کے پاس نہ چھوڑتے تھے (بحوالہ سوانح حیات رنجیت سنگھ از سر گرفن) ان کے جتھے ہر طرف لوٹ مار مچاتے رہتے، وہ جہاں بھی جاتے بے دریغ قتل و غارت گری کرتے تھے۔ شاہ طہماسپ مسکین نے اپنے قلمی روزنامچہ میں جو مشاہدات تحریر کیے ہیں، ان سے بھی اس خونی گروہ کی مکروہ تصویر سامنے آتی ہے (بحوالہ قلمی روزنامچہ طہماسپ مسکین مملوکہ سید الطاف علی بریلوی، مترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی)۔ [2]

وقف جائیدادوں کی تباہی اور ضبطی

اسلامی مدارس کو مالی وسائل وقف جائیدادوں سے حاصل ہوتے تھے۔ سید مصطفیٰ علی بریلوی دیسی نظام تعلیم ایک عام خاکہ کے زیر عنوان ان وسائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے فارسی اسکول چلتے تھے۔ یہ وقف جائیدادیں تھیں جن کو سکھ راج میں تباہ کیا گیا، جو باقی تھیں ان کو انگریزوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ ضبط کر لیا۔ اس طرح مالی وسائل نہ ہونے سے ان اسکولوں کی مالی حالت خراب ہو گئی اور نظام بری طرح متاثر ہوا۔ دراصل مغلیہ دور میں یہ وقف جائیدادیں شاہی فرامین کے ذریعے دی گئی تھیں۔ مصطفیٰ علی بریلوی کا ایک اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے۔

---

[1] سید الطاف علی بریلوی، مسلمانان پنجاب کی تعلیم، ابتدائے عہد اسلامی سے قیام پاکستان یعنی ۱۹۴۷ء تک، کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۷۵ء، ص ۴۴

[2] ایضاً، ص ۴۴-۴۵

جب انگریزی دور آیا تو ایسے فارسی اسکولوں کو اول درجہ کا اسکول قرار دیا گیا۔ فارسی کتب و مدرسے عموماً مسجدوں مندروں اور دھرم شالاؤں میں قائم تھے۔ وقف جائیدادوں سے ان کا خرچ چلایا جاتا تھا۔ ان مکتبوں کے علاوہ بعض کھاتے پیتے لوگوں نے اپنی اپنی ڈیوڑھیوں میں مدرسے قائم کر رکھے تھے جن میں صاحب خانہ کے بچوں کے علاوہ علاقے کے غریب طلبہ بھی شانہ بشانہ تکمیل علم کرتے تھے۔ وقف جائیدادیں کچھ سکھوں کے زمانہ میں تباہ ہوئیں، باقی انگریزوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ ضبط کر لیں۔ اس طرح ان کی پالیسی بنگال میں مسلمانوں کی وقف جائیدادوں کی ضبطی سے ہم آہنگ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتب مدرسے اور مسجدیں ویران ہو گئے۔ (بحوالہ تاریخ التعلیم از پروفیسر شبیر احمد، ص ۱۹۴) [1]

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ

خیر محمد خان پرجانی کا قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو جاگیر عطا کرنا اور بہاول خان کلاں کا ضبط کر لینا

شروع میں قبلۂ عالم مہار شریف میں مسجد سے مکتب/مدرسہ کا کام بھی لیتے تھے۔ مسجد میں ہی تدریس کا کام کرتے تھے۔ قاری عزیز اللہ نے بھی مہار شریف میں اپنے مرشد کے ایما پر ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس میں وہ بچوں کو قرآن مجید کی تدریس کا کام کرتے تھے۔ اخراجات کو پورا کرنے کے لیے خیر محمد پرجانی نے قبلۂ عالم کو جاگیر دی تھی۔ اس سے لنگر کا انتظام چلتا تھا اور مدارس کا بھی۔ اس حوالے سے نافع السالکین کا متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

نیز فرمایا کہ خیر محمد خان پرجانی نے حضرت قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کو درویشوں کے اخراجات کے واسطے جاگیر دی تھی۔ بعدہ اس جاگیر کو بہاول خان کلاں مرحوم (م ۱۸۰۹ء) نے ضبط کر لیا، لیکن حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اپنی زندگی میں اس کی بالکل کوئی پرواہ نہ کی۔ اور جاگیر کے ضبط ہونے کی وجہ بیان فرمائی کہ مولوی سکندر اور دوسرے علماء کسی شرعی مسئلہ کے انفصال کے لیے بہاول خان کے پاس گئے۔ خان موصوف نے مقدمہ کے فیصلہ کرنے میں دیر

---

[1] ایضاً، ص ۵۵-۵۶

لگا دی اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں عرضی لکھی کہ ایک اور عالم میرے پاس بھیج دیں جو کہ ان علماء کے ساتھ بات چیت کرے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے جواب میں لکھا کہ میرے پاس کوئی ایسا عالم نہیں ہے جو کہ علماء کے ساتھ بات کرے اور تم پر شریعت کی فرمانبرداری واجب ہے۔ جو کچھ علماء شرعی حکم دیں اس پر عمل کیجیے کیوں کہ تم اکبر اعظم سے بڑے نہیں ہو کہ اکبر اعظم کو بھی علماء کے حکم سے شریعت کی پابندی کرنا پڑی اور ہم منصور سے زیادہ بزرگ نہیں ہیں کہ انہوں نے بھی حکم شریعت مانا اور سولی پر لٹک گئے' اس لئے شریعت کے حکم سے ہرگز اعراض نہ کریں۔ جب یہ جواب پہنچا تو خان مذکور نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی جاگیر کو بند کر دیا' لیکن انہوں نے اس کی واگزاری کے لئے ذرہ بھر بھی کوشش نہ کی۔ [1]

قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بہاول خان کلاں نے جاگیر مذکور کو واگزار کر دیا

جاگیر کی واگزاری کا واقعہ بھی نافع السالکین کے حوالے سے درج ذیل ہے:

نیز فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کے وصال کے بعد حضرت صاحبزادگان اور حضرت حافظ صاحب محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس فقیر (خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ) کو جاگیر مذکور واگزاری کے واسطے خان موصوف (بہاول خان کلاں مرحوم' م ۱۸۰۹ء) کے پاس بھیجا۔ جب ہم نے خان موصوف سے ملاقات کی تو خان موصوف نے کہا کہ ہم بھی حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت رکھتے ہیں۔ ہم نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم کو تمہاری ارادت کی کوئی علامت اور نشانی نظر نہیں آتی اور یہ مثال بتلائی کہ جس جگہ آگ جلائی جاتی ہے' وہاں دھواں اٹھتا ہے۔ اگر تم کو حضرت قبلۂ عالم سے قدس سرہ سے ارادت ہوتی تو اس کی علامات بھی ضرور ظاہر ہوتیں اس کے بعد موصوف نے جاگیر مذکور کو واگزار کر دیا۔ [2]

---

[1] نافع السالکین' ص ۱۷۰-۲۷' اُردو ترجمہ' ص ۱۷۴-۱۷۵

[2] ایضاً' ص ۲۷' ایضاً' ص ۱۷۴-۱۷۵۔ نافع السالکین میں صاحبزادگان حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی جاگیر کی واگزاری کے حوالے سے ایک اور مقام پہ لکھا ہے کہ خواجہ تونسوی جاگیر کو واگزار کرانے کے لیے نواب بہاول خان کلاں کے پاس گئے۔ اس ملاقات کے آخر میں نواب صاحب نے قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کی وسعت کی دعا کے لیے کہا۔ اس پر خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر پڑھا:

جہاں پر سماع است و مستی و شور ولیکن چہ بیند در آئینہ کور

جب نواب صاحب نے شعر سنا تو اٹھ کر چلے گئے اور مولوی غوث بخش سے کہا (بقیہ حاشیہ اگلہ صفحہ)

مالی وسائل کی فراہمی میں قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات

قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کو تین شاہی فرامین کے مطابق جاگیریں عطا کی گئی تھیں (اس کی تفصیل بعد میں دی جائے گی)۔ اس اعتبار سے قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان جاگیروں کے حصہ دار تھے۔ علاوہ ازیں وہ اپنی فتوحات قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے۔

مناقب فریدی میں لکھا ہے:

مشہور ہے ہمیشہ حضرت (قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ) کل اپنی فتوحات کو قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کر دیا کرتے تھے' بلکہ جب مہاراں شریف میں حاضر ہوتے تو پہلے قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مردہی (مودی) کا حساب چکا کر بعد میں حضرت پیر و مرشد کی قدم بوسی سے مشرف ہوتے اور بعدِ انتقال قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے تاحیات صاحب زدگان کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ ہر فصل پر اس قدر غلہ کہ جو چھ ماہ کے خرچ کے لیے کافی ہو' کشتیوں پر بار کرا کر خود لے جایا کرتے تھے۔ ایک بار منجانب صاحبزادہ نور الصمد صاحب نواب صاحب ریاست بہاول خان بہادر کو یہ شک ہوا کہ صاحبزادہ صاحب ارادہ تسخیر ملک کا رکھتے ہیں۔ اس پر ناخوش ہو کر معافی ضبط کی' جو سالانہ پیشکش ہوتا تھا' بند کیا' اس حالت میں حضرت ہی امداد و خدمت گزاری تمام اہل و عیال قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی فرماتے رہے اور آخر نواب صاحب سے صفائی کرا دی۔ [2]

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے احاطے میں ایک دینی مدرسہ کا قیام اور اس کے اخراجات کا انتظام

بہاول پور گزیٹیئر شائع کردہ حکومت پنجاب ۱۹۰۴ء میں اس مدرسے کے بارے میں

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ)...... کہ مجھے اس جلالی درویش سے بہت خوف آتا ہے اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے' جو کچھ ان کے آنے کا سبب اور مقصد ہے اس کو پورا کر دو۔ چنانچہ ہم اپنا مقصد حاصل کر کے واپس خانقاہ مبارک پر آ گئے۔

اس کی تفصیل کے لیے دیکھئے: نافع السالکین' ص ۶۷-۶۸' اُردو ترجمہ' ص ۱۶۷-۱۶۹

[2] مرزا احمد اختر (خلف اکبر محمد دارا بخت میران شاہ)' مناقب فریدی' مطبع احمدی' ۱۴۱۳ھ' دہلی (۱۹۹۶ء-۱۹۹۷ء)' ص ۶۴-۶۵

لکھا ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ' احوال ومناقب از پروفیسر افتخار احمد چشتی میں دیا گیا ہے۔ اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

نواب صادق محمد خان دوم (عہدِ حکومت ۱۸۰۹ء-۱۸۲۵ء) نے مزار شریف کے احاطہ کے اندر ایک مسجد بنوائی تھی جس میں نواب سر صادق محمد خان چہارم (عہد حکومت ۱۸۷۹ء-۱۸۹۹ء) نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا جو آج (۱۹۰۴ء) بھی جاری ہے۔ پہلے اس کے تمام اخراجات نواب صاحب کے خزانے سے ہی ادا کیے جاتے تھے لیکن ۱۸۹۹ء میں کرنل ایچ گرے کی تعلیمی اصلاحات کے بعد اسے بھی ریاست کے محکمہ تعلیم کے بجٹ میں ضم کر دیا گیا۔ چونکہ یہ مسجد زیادہ وسیع نہ تھی' اس لیے نواب غلام قادر خاں خاکوانی کے بیٹے نواب احمد یار خاں نے خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایما پر اسے شہید کروا کر بیس ہزار روپے کی لاگت سے اس کی جگہ ایک زیادہ کشادہ مسجد تعمیر کروائی۔

سجادہ نشین صاحب اور ان کے لواحقین ریاست سے ملنے والی وسیع جاگیروں سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ [1]

اس گزیٹیئر کی اصل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست میں دینی مدارس کے تمام اخراجات مرحوم نواب صاحب کے ذاتی خزانے سے ادا کیے جاتے تھے' لیکن کرنل ایچ گرے کی اصلاحات سے ان کے اخراجات کو ریاست کے تعلیمی بجٹ میں شامل کر دیا گیا۔ [2]

حافظ محمد جمال ملتانی

نواب مظفر خاں شہید (شہادت ۲ جون ۱۸۱۸ء) کے دور میں اسلامی مدارس' ان کے نصاب اور تعلیم کے بارے میں عمر کمال خاں ایڈووکیٹ اپنی کتاب نواب مظفر خاں شہید اور اس کا عہد میں لکھتے ہیں:

دور نواب مظفر خان میں نصاب تعلیم درسِ نظامی تھا اور عربی اور فارسی کی تعلیم بھی دی جاتی

[1] حضور قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ' احوال ومناقب' ص ۴۲۶-۴۲۷

[2] Punjab States Gazetter, Volume XXXVI-A, Bahawalpur with Maps, 1904, p.178.
مندرجہ بالا حوالے کے مذکورہ صفحہ پر اسلامی مدارس کے مالی وسائل کی فراہمی کا ذکر ملتا ہے۔

تھی۔ ویسے تو کئی مدرسے تھے۔ چار مدرسے اس دور میں بے حد مشہور تھے۔ ان مدرسوں کی اعانت اور سرپرستی نواب مظفر خان کرتے تھے۔ [1]

مدرسہ مسجد درس والی

ملتان کے ان مشہور مدارس میں ایک مدرسہ یہ بھی تھا۔ اس کے متعلق عمر خاں کمال خاں ایڈووکیٹ تحریر کرتے ہیں:

یہ ایک قدیمی مدرسہ دولت دروازہ کے اندر واقعہ تھا۔ جہاں حضرت حافظ جمال صاحب اور ان کے خلیفۂ اول خواجہ خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ درس دیتے تھے۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی مولانا قادر بخش اسی مدرسہ میں درس وتدریس دیتے تھے۔ تعداد طلبہ اور علمی شہرت میں یہ مدرسہ سب مدرسوں سے زیادہ نامور تھا۔ (بحوالہ گلزار جمالیہ از عبدالعزیز پرہاروی) [2]

نواب مظفر خاں شہید حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی ارادت رکھتے تھے

عمر کمال خاں نے اس حوالے سے لکھا ہے:

..........تصوف سے ان (نواب مظفر خاں شہید) کا پہلے ہی گہرا تعلق تھا اور وہ حضرت خواجہ جمال اللہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ جو چشتیہ سلسلہ کے ایک مرتاض بزرگ تھے' سے خصوصی ارادت رکھتے تھے اور ان کی صحبت سے فیض یاب تھے۔ [3]

نواب مظفر خاں شہید کی حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ میں شرکت

نواب مظفر خاں شہید کا حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق تھا۔ اس کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ نواب مرحوم نے حافظ صاحب کی نماز جنازہ میں شرکت کی تھی۔ مناقب المحبوبین میں اس واقعہ کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

..........آخر جنازہ تیار کیا گیا اور کھلے میدان میں لائے۔ اتنے لوگ جمع تھے کہ صفوں

[1] عمر کمال خاں' نواب مظفر خاں شہید اور اس کا عہد' فاروقی کتب خانہ' ملتان' ۱۹۷۸ء' ص ۲۶۳

[2] ایضاً' ص ۲۶۴

[3] ایضاً' ص ۱۳۹

کی تعداد نہیں تھی یہاں تک کہ ناظم ملتان کو نماز جنازہ کی جگہ نہ ملی۔ نواب مظفر خاں والئی ملتان اپنے لڑکوں کے ساتھ آیا۔ جنازہ اٹھایا اور آگے رکھا اور خود اس جگہ کھڑا ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے بھی حضرت کے جنازہ میں شریک تھے۔ جنازہ کی امامت خواجہ خدا بخش جی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے خلیفہ نے کی۔ اس کے بعد وہاں سے جنازہ اٹھا کر مقررہ جگہ پر دفن کیا۔ وقت عشاء تدفین ہوئی۔ تیسرے روز قل خوانی ہوئی اور دستارِ خلافت خواجہ خدا بخش صاحب کو نواب مظفر خاں نے باندھی۔ نیز نواب صاحب اور دوسرے لوگوں نے ان کے سامنے روپے نذر کیے۔ [1]

سقوط ملتان کے اثرات (بعہدِ سکھ راج)

عمر کمال خاں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

نواب مظفر خان کی شہادت اور سدوزائیوں کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی ملتان سکھ گردی سے تباہ ہوگیا۔ ایک سرسبز و شاداب' ہر طرح سے آباد دنیاوی نعمتوں سے مالا مال سرزمین جو کہ شرفاء کا مسکن تھی' چند دنوں میں برباد ہوکر رہ گئی اور ہر طرف اُلو بولنے لگے۔ نواب زاہد خان' نواب شجاع خان اور نواب مظفر خان نے جس لگن' محنت اور جدوجہد سے جس ملتان کو آباد کیا تھا اور جو اعلیٰ نظام حکومت قائم کیا اور ملتان میں امن و امان قائم کر کے لوگوں کو خوش حال اور ملتان کو آبادی سے معمور کیا تھا۔ اس ملتان کا نام و نشان چند سالوں میں سکھ گردی کا شکار ہوکر ایک داستان پارینہ اختیار کر گیا۔ سکھوں کی لوٹ کھسوٹ' بدامنی اور ظلم و ستم کی وجہ سے ہزارہا لوگ ترکِ سکونت کر کے ملتان سے چلے گئے۔ باغات' چاہات اور آباد اراضیات برباد ہوگئیں۔ نہریں بند ہوگئیں اور زراعت کا نام و نشان نہ رہا۔ [2]

خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ملتان سے نقل مکانی اور خیر پور ٹامیوالی میں سکونت

ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں:

خواجہ بخش بہت عرصہ ملتان میں رہ کر درس و تدریس کا کام سرانجام دیتے رہے۔ ملتان میں جب سکھوں نے رنجیت سنگھ کی سرکردگی میں بار بار حملے کیے تو دوسرے علماء کے ساتھ آپ

[1] مناقب المحبوبین' ص ۱۲۹۔ مناقب المحبوبین' مکمل اُردو ترجمہ' ص ۲۵۶۔۲۵۷

[2] نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد' ص ۲۴۶۔۲۴۷

نے بھی یہاں سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کرلیا' لیکن جب تک ملتان میں رہے۔ حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتے رہے۔ [1]

سکھوں نے قریباً تیس سال ملتان پر حکومت کی۔ انہوں نے اس کو فتح کرنے کے لیے آٹھ حملے کیے اور شہر کا محاصرہ بھی کرتے رہے۔ اس بدامنی کے زمانے میں بہت سے لوگ ترکِ سکونت کر گئے۔ ان میں خواجہ خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ پہلے انہوں نے دنیا پور المعروف راولے والا میں کچھ عرصہ قیام فرمایا پھر حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق وہ (غلام حسن بھٹی) ان کو اپنے ڈیرہ چیلاوہن میں لے گئے اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ [2]

خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کا خیر پور میں قیام

(چیلاوہن) سے جب آپ بہاول پور کی طرف گئے' تو وہاں کے والی محمد صادق خان نے آپ کو خیر پور میں ٹھہرایا۔ آپ کے خادموں کا روزینہ مقرر کیا اور لنگر کا تمام خرچ اپنے ذمے لے لیا۔ اس کے بعد تمام عمر آپ خیر پور ہی میں رہے۔ وہاں آپ نے ایک موزوں مسجد' ایک محفوظ کنواں' مہمان سرائے' فقراء کے حجرے اور دیگر لوگوں کے لیے عمارتیں تعمیر کرائیں۔ [3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب ریاست بہاول پور (محمد صادق خان) نے علم دوستی اور علم پروری کرتے ہوئے خواجہ خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ٹھہرایا اور ان کے لیے مالی وسائل فراہم کیے۔

حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مبحث تدریس و مدارس کے مالی وسائل کے خاتمے پر یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عمر کمال خاں نے اپنی کتاب میں چند صوفیہ کی آراء درج کی ہیں۔ یہ نواب مظفر خاں شہید کے بارے میں ہیں۔ ان میں قاضی محمد عیسیٰ خانپوری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت نور فقیر رحمۃ اللہ علیہ' قاضی عبدالہادی انصاری رحمۃ اللہ علیہ' خواجہ خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ ان سب صوفیہ نے نواب مظفر خاں

[1] روبینہ ترین' ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ' بیکن بکس' ملتان' ۱۹۸۹ء' ص ۳۰۴

[2] اس کی تفصیل درج ذیل حوالہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔
گلشن ابرار (قلمی)' ص ۴۱۶' گلشن ابرار اُردو ترجمہ' ص ۲۹۳

[3] ایضاً' ص ۴۱۷۔ ایضاً' ص ۲۹۵

شہید کی تعریف کی ہے۔ [1]

ان کے علاوہ بھی مشائخ چشت نے ان (نواب صاحب مذکور) کو ابدالِ وقت شمار کیا ہے۔ ان سے نواب مظفر خاں شہید اور صوفیائے چشت کے باہمی حسنِ سلوک کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جو حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء کا ہے۔ اس سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ نواب صاحب شہید دینی مدارس کے لیے مالی وسائل فراہم کرتے تھے، جن سے درویشوں کی خدمت کی جاتی تھی، لیکن سکھوں کے ملتان پر آٹھ حملوں سے ملتان میں افتراق و انتشار کی فضا قائم ہوئی۔ رنجیت سنگھ کے ملتان پر قبضہ کرنے میں جو زبردست لڑائی ہوئی، اس سے نہ صرف ادارے بری طرح متاثر ہوئے بلکہ شہر کے مکانات آگ لگنے کی وجہ سے راکھ کے ڈھیر بن گئے۔ ان حالات میں علم اور تعلیمی اداروں کا بری طرح متاثر ہونا ایک فطری عمل تھا۔

قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ

قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ دو مدرسے چلاتے تھے۔ ایک کوٹ مٹھن میں اور دوسرا شیدانی میں۔ ان کے مصارف اس جاگیر سے ہوتے تھے جو ان کے خاندان کو شاہی فرامین سے حاصل ہوئی تھی۔

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خاندانی جاگیر اور اس سے متعلق تین شاہی فرامین

قاضی محمد عاقل کا خاندان فرمان شاہی سے عطا کردہ جاگیر (پانچ ہزار بیگہ زمین) کا مالک تھا۔ اس کے لیے پہلا شاہی فرمان شاہجہاں بادشاہ (عہد حکومت ۱۶۲۷ء ـ ۱۶۵۸ء) نے ہشتم ماہ محرم الحرام ۱۰۴۴ھ کو جاری کیا تھا۔ پھر اس کی توثیق جدید اس شاہی فرمان سے ہوئی جس کو محی الدین عالمگیر بادشاہ غازی (عہد حکومت ۱۶۵۸ء ـ ۱۷۰۷ء) نے جاری کیا تھا۔ یہ پنجم شہر ذی حجہ ۱۴ جلوس مطابق ۱۰۸۱ ہجری جاری ہوا تھا۔ تیسرا فرمان تیمور شاہ بادشاہ کابل خلف احمد شاہ ابدالی نے بتاریخ شہر صفر ۷ جلوس کو جاری کیا تھا۔ اس تیسرے فرمان میں قاضی شریف محمد (والد قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ) و قاضی نور محمد و قاضی عاقل محمد و غلام محمد و محمد رضا از اولاد مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کے نام دیئے گئے ہیں۔ مناقب فریدی میں اس جاگیر کے عطا کرنے کی

[1] ان آراء کے لیے دیکھئے: نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد، ص ۲۷۱

تفصیل دی گئی ہے اور ان تین شاہی فرامین کی نقول بھی دی گئی ہیں۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب اور ان کے بھائی وغیرہ کی بہت بڑی جاگیر تھی جو ان کے مصرف میں تھی۔ قاضی صاحب مذکورہ دونوں مدارس کے مصارف اس جاگیر سے پورے کرتے ہوں گے۔

قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کا خاندانی پس منظر اور اعطاء جاگیر

اس بارے میں مناقب فریدی میں لکھا ہے:

در ذکر حضرت سلطان الاولیاء شمس الہدی قطب العارفین محبوب رب العالمین سراج العاشقین قدوۃ الواصلین حضرت مخدوم قاضی شیخ محمد عاقل صاحب قدس سرہٗ العزیز کہ اعظم خلفائے حضرت قبلۂ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ و مقبول بارگاہ فخری چراغ دودمان نظامی عالم ظاہر و باطنی صاحب وجد و شوق کہ اولاد سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے، طریق حضرت کے بزرگوں کا سہروردیہ تھا اور کئی پشت سے بزرگ حضرت کے سلسلۂ سہروردیہ میں کامل اور صاحبِ سلسلہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ کشش آب و دانہ سے بزرگان حضرت سے جناب مخدوم محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اوائل سلطنت جہانگیر بادشاہ نور اللہ مرقدہٗ میں بمقام منگلوٹ شریف علاقہ ملتان میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے دو فرزند پیدا ہوئے۔ ایک صاحبزادہ میاں حبیب اللہ وہ فوت ہوئے اور صاحبزادگان کلاں حضرت محبوب الصمد مخدوم نور محمد نے نشو و نما پایا۔ جب ان کا شہرۂ فضل و کمال بلند ہوا اور دور دور سے لوگ آکر فیضان ظاہری و باطنی سے مستفیض ہونے لگے۔ اسی اثناء میں امیر ارادت خان وزیر دوم شاہجہان بادشاہ غاری حضرت کے مرید ہوئے۔ آخر ایک روز وزیر نے موقع پا کر بادشاہ کے روبرو اپنے شیخ حضرت مخدوم صاحب کے اوصاف حمیدہ اور ان کا حسب و نسب بیان کیا جس پر ظل سبحانی خلیفہ رحمانی صاحب قران ثانی حضرت شاہجہان بادشاہ غازی اعلی اللہ مقامہ فی الجنۃ کے دربار فیض آثار سے پانچ ہزار پختہ بیگہ اراضی واسطے اخراجات حضرت مخدوم صاحب کے پیشکش ہوئی اور ایک فرمان مزین

[1] قاضی صاحب کے خاندان کو جاگیر ملنے کی تفصیل اور شاہی فرامین کی نقول کے لیے درج ذیل حوالہ دیکھیں: مرزا احمد اختر، مناقب فریدی، مطبع احمدی، دہلی، ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء، ص ۴۶ـ۴۸۔ تینوں شاہی فرامین فارسی زبان میں ہیں۔

بدست خط خاص مرحمت ہوا۔ [1]

قاضی احمد علی رحمۃ اللہ علیہ اور وسائل مدرسہ

قاضی احمد علی رحمۃ اللہ علیہ خلف حضرت قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں پڑھاتے تھے۔ قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مسند مشیخیت پر بیٹھے۔ مدرسہ کا انتظام بھی چلاتے' جو علاقہ (زمین) ٹھیکہ پر دی ہوئی تھی تو اس سے اپنے لیے اور پرورش خدام کے لیے لیتے تھے۔ ''مناقب فریدی'' میں ان کے متعلق لکھا ہے:

ذکر حضرت سلطان العاشقین پیشوائے اہلِ یقین مقتدائے دین مظہر فیض خفی و جلی حضرت صاحبزادہ مولانا خواجہ احمد علی صاحب قدس سرہٗ العزیز کہ جملہ علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ ذات جامع الکمالات منبع علم وحیا معدن سخاوعطا اور خلق محمدی تو گویا پروردگار عالم نے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ لباس سادہ شرعی زیب تن رکھتے۔ ہر کہ ومہ سے نہایت تہذیب کے ساتھ پیش آتے۔ اوائل عمر میں بڑے جفار کھتے' مگر آخر میں اس کو ترک فرما دیا تھا اور زہد اور مجاہدہ کو بکمال پہنچا کر بمرتبہ ولایت فائز ہوئے اور بیعت حضرت کو حضرت قبلہ عالم مہاوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھے اور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار حضرت سلطان الاولیاء سے فرمایا تھا کہ احمد علی میرا ہے' اس کی طرف سے مطمئن رہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو بدرجۂ کمال پہنچادے گا۔ الغرض بعد وصال حضرت سلطان الاولیاء پدر خود آپ مسند مشیخت پر سجادہ نشین ہوئے۔ خواجہ گل محمد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز خلوت میں بندہ سے ارشاد فرمایا کہ بعد وصال حضرت سلطان الاولیاء پروردگار عالم نے ساتویں دن اپنی عنایت بے غایت سے مجھ کو بمقصود پہنچایا۔ الحمد للہ علی ذلک اور بعد وصال حضرت سلطان الاولیاء ایک سال ایک ماہ چند یوم ہدایت خلق میں مصروف رہ کر بتاریخ نہم ماہ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ میں اس دار ناپائدار سے رحلت فرمائی۔ مزار شریف بھی حضرت کا کوٹ شریف (کوٹ مٹھن) میں ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت بخلاف اہل سندھ کے خوبرو باخلق اور نازک مزاج تھے اور رحم دل' جب باہر برآمد ہوتے (تو) لباس مکلف ہوتا' گھر میں بالکل فقیرانہ بسر فرماتے۔ نہایت فصیح اور بلیغ تھے۔ جو علاقہ جات ٹھیکہ میں

---

[1] ایضاً' ص ۴۵-۴۶

تھے' وہ صرف برائے ستر حال اور پرورشِ خدام کے واسطے تھے' فتوح کم قبول کرتے' یتیم اور مسکینوں کو زیادہ دوست رکھتے تھے۔ حضرت کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک حضرت مولانا خواجہ خدا بخش قدس اللہ سرہ العزیز اور دوسرے حضرت تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ.........۔ [1]

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ خلافت ملنے کے بعد جب انہوں نے رشد و ہدایت کا کام شروع کیا تو وہ پہلے آٹھ سال تک اپنے آبائی پہاڑی علاقے گڑ گوجی میں رہے۔ اس کے بعد وہ تونسہ میں آ گئے۔ انہوں نے وہاں سرکنڈے کی جھونپڑی میں عبادت شروع کر دی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

جب اس علاقہ کا رئیس الف خاں حلقۂ مریدین میں داخل ہوا تو اس نے شاہ صاحب کی اجازت سے وہاں ایک مکان بنوا دیا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت بڑھی اور لوگ دور دور سے شرفِ بیعت کے لیے حاضر ہونے لگے تو نواب بہاول خاں والئ ریاست بہاول پور بھی سلسلۂ خدام میں داخل ہو گیا۔ [2]

تعمیر مسجد

پروفیسر افتخار احمد چشتی اس حوالے سے تذکرۂ غوث زماں میں تحریر کرتے ہیں:

تونسہ شریف میں قیام کے فوراً بعد مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے ایک مسجد تعمیر کرائی تاکہ نماز باجماعت کا باقاعدہ آغاز ہو سکے۔ یہ مسجد بغیر چھت کے تھی۔ کچھ عرصہ بعد برخوردار چاکی نے سادہ مٹی سے چھت والی مسجد تعمیر کرائی۔ جب آپ کی شہرت نزدیک و دور پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق مرید ہونے کے لیے آنے لگے تو نواب بہاول خان والئ ریاست بہاول پور' جو آپ کے سلسلۂ خدام و مریدین میں شامل تھا' نے اس کچی مسجد کی جگہ پختہ مسجد تعمیر کرانے کا اہتمام کیا۔ [3]

---

[1] ایضاً' ص ۶۷-۶۸

[2] پروفیسر خلیق احمد نظامی' تاریخ مشائخ چشت' ادارہ ادبیات دلی' دلی' ۱۹۸۴ء' جلد پنجم' ص ۳۳۸

[3] پروفیسر افتخار احمد چشتی' تذکرہ غوث زماں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ' چشتیہ اکادمی' فیصل آباد' ۱۹۹۵ء' ص ۱۴۳

تعمیر مسجد کے متعلق پروفیسر صاحب مذکور ذکر حبیب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

تعمیر مسجد کے سلسلہ میں ذکر "حبیب" میں ہے کہ جب نواب صاحب نے پختہ مسجد کی تعمیر کے لیے روپے ارسال کیے تو حضرت غوث زماں ؒ نے وہ روپیہ حسب دستور لنگر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ جو بچا وہ مسکینوں اور محتاجوں میں بانٹ دیا۔ اس نے دوبارہ روپے بھیجے، وہ بھی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیے۔ آخر الامر نواب صاحب نے حضرت خواجہ اللہ بخش کو روپے بھیجے تا کہ وہ مسجد تعمیر کروا دیں۔ حضرت خواجہ اللہ بخش ؒ نے عمارتی سامان منگوا کر جمع کر دیا۔ جب حضرت غوث زماں ؒ ادائے نماز کے لیے تشریف لائے تو استفسار فرمایا کہ یہ کس لیے ہے۔ خدام نے عرض کیا کہ نواب صاحب والی رقم سے صاحبزادہ صاحب (حضرت اللہ بخش ؒ) نے مسجد کی تعمیر کے لیے یہ سامان منگوایا ہے۔ آپ ؒ نے فرمایا:

واہ او بھیڑیا جے میرے کول گھل دوں
تے کنیاں مسجداں تیار کرا دیندا

یعنی کاش وہ (نواب صاحب) میرے پاس روپیہ بھیجتا تو میں مسکینوں اور محتاجوں میں روپیہ تقسیم کر کے اس کے واسطے کئی مسجدیں تیار کر دیتا۔ آپ کا یہ ارشادِ گرامی مقصدِ طریقت کی ترجمانی کرتا ہے۔ [1]

مدارس اور لنگر کے لیے مالی وسائل

مالی وسائل کے حوالے سے پہلے یہ لکھا ہے کہ قبلۂ عالم ؒ کو نواب بہاول خان نے جاگیر دی تھی۔ حافظ محمد جمال ملتانی ؒ کے تعلقات ملتان نواب مظفر خان شہید کے ساتھ بہت اچھے تھے۔ نواب صاحب مدارس کے لیے مالی تعاون اور سرپرستی کرتے تھے۔ قاضی محمد عاقل ؒ کی بڑی جاگیر تھی جو ان کے خاندان کو شاہی فرامین کے ذریعے حاصل ہوئی تھی۔ قاضی محمد عاقل اور ان کے فرزند ارجمند قاضی احمد علی اس جاگیر کی آمدنی سے مدارس اور لنگر کا انتظام چلاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ فتوحات اور نذرانے بھی اداروں کے چلانے میں

[1] ایضاً، ص ۱۴۳۔۱۴۴

ممد و معاون تھے۔ خواجہ تونسوی ؒ کے عہد میں تونسہ شریف میں پڑھانے کے لیے پچاس استاد موجود تھے۔ ڈیڑھ ہزار کے قریب طلبہ زیر تعلیم تھے۔ ان کے علاوہ زائرین اور دیگر مہمانوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ ان سب کو کھانا لنگر سے ملتا تھا۔ لنگر کا نظام ایک منظم ادارے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس ادارے کے لیے ملازمین رکھے گئے تھے۔ اساتذہ کو تنخواہ ملتی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر سہولتیں بھی لنگر کے ذریعے میسر تھیں۔ خواجہ تونسوی ؒ کے ملفوظات اور دیگر متعلقہ لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس کوئی جاگیر نہیں تھی، بلکہ وہ جاگیر لینے کو پسند بھی نہیں کرتے تھے، لینے سے انکار کر دیتے تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے:

شاہ صاحب ؒ نے جاگیر کے معاملہ میں بھی اپنے بزرگوں کے مسلک پر عمل کیا۔ ایک مرتبہ عبدالجبار خان نواب ڈیرہ غازی خاں نے درویشوں کے خرچ کے لیے جاگیر پیش کی۔ جواب میں فرمایا: ما این جاگیر نہ گیریم کہ خلاف سنت پیران و شیخان ما ہرگز نخواہیم نمود کہ ایشان قبول نہ کردہ اند۔

کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ صاحبزادہ گل محمد کے لیے جاگیر قبول فرما لیجیے جواب دیا:

گل محمد را نیز حاجت جاگیر نیست، اگر نعلین درویشان راست کند، برائے خدمت او مقربان خدمت گار شوند۔ [1]

توکل

خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کے خلفاء میں سے خواجہ تونسوی ؒ کے لنگر اور مدارس کا نظام انتظامی اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ بظاہر کوئی ایسی دستاویزی شہادت بھی لٹریچر میں نہیں ملتی، جس سے معلوم ہو سکے کہ دیکھنے میں ایسے مادی ذرائع موجود ہوں جن سے ان دونوں اداروں، لنگر و مدارس کے لیے مالی وسائل فراہم ہوتے ہوں۔ خواجہ تونسوی ؒ کے شیخ نے فرمایا تھا کہ اپنی موروثی زمین اپنے پاس رکھنا۔ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ "حیات سلیمان" میں اس حوالے سے لکھا ہے:

[1] تاریخ مشائخ چشت، جلد پنجم، ص ۳۷۳۔۳۷۴

دنیا کے خوانِ نعمت کے باوجود آپ ہمیشہ اس زمین کی گیہوں کا آٹا کھاتے تھے جو آپ نے پہاڑ میں میراثِ پدری سے پائی تھی۔ [1]

توکل کے حوالے سے ایک اور واقعہ حیات سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ میں موجود ہے۔ اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

الغرض توکل کا یہ عالم تھا کہ گویا آپ خزانہ غیب کی کنجی اپنے ہاتھ میں سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں مہاران کا الگ راستہ نظر آیا جسے عالم سلوک میں طے فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اس کو دیکھ کر آہ بھری اور میاں عین علی سے کہنے لگے کہ اس رستہ کی برکت سے خدا تعالیٰ نے مجھے یہ مرتبہ بخشا کہ اگر میں اپنے لنگر میں سونے اور چاندی کی روٹی بھی دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں۔ [2]

ایم صالح محمد صالح تونسوی نے اس بارے میں مزید ایک عجیب واقعہ لکھا ہے:

آیا رام مودی نے لنگر میں آٹا دینے کے لیے انکار کر دیا اور کہا کہ کس برتے پر تمہیں آٹا دیں، کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے، کچھ بچت نہیں۔ فرمایا: ہم لوگ خدا والے ہیں۔ خدا ہمیں ضرور دے دیتا ہے۔ اس کی تسلی نہ ہوئی، تو اس کو اپنی جانماز کا دامن اٹھا کر دکھایا۔ اسے ایسا نظر آیا کہ روپیوں کی ندی چل رہی ہے۔ اٹھ کر ماتھا ٹیکا اور پھر کبھی انکار نہ کیا۔ [3]

خواجہ محمود صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی ایک اور عجیب واقعہ حیات سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا گیا ہے:

ایک دفعہ سخت قحط پڑا۔ عشا کے وقت عورتیں گھر پر جمع ہوتی تھیں۔ ایک بڑھیا رونے لگی اور کہا ہم لوگ لنگر خوار ہیں۔ اگر لنگر میں کمی ہوگئی تو ہم کیا کھائیں گے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: اے زن (عورت) غم نہ کھا۔ ہم سب اہل اللہ ہیں۔ اہل عیال کو بھی کہتے ہیں۔ اس لیے ہم خدا کا عیال ہیں۔ ہم سب اُس وقت بھوکوں مریں گے جب کہ خدا کے گھر میں کچھ نہ ہوگا۔ [4]

[1] ایم صالح محمد صالح تونسوی، حیات سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، چشتیہ کتاب گھر، تونسہ شریف، ۱۹۵٦ء، ص ۷۰-۷۱

[2] ایضاً، ص ۷۲

[3] ایضاً، ص ۷۳

[4] ایضاً، ص ۷۲

جود وسخا

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نذرانے پیش کیے جاتے تھے۔ آپ ان کو تقسیم کر دیتے تھے۔ وقت کے نواب حاضرِ خدمت ہوتے اور فتوح کی صورت میں آپ کے پاس تحائف نذر کرتے تھے۔ جس انداز میں مدارس اور لنگر کے مصارف ہوتے تھے، ان کا انتظام ہو جاتا تھا۔ حیات سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ میں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت و عطا کے بہت سے واقعات لکھے ہوتے ہیں۔ چند کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص کسی چیز کی استدعا کرتا، کبھی خالی ہاتھ نہ جاتا۔ کبھی عمدہ گھوڑی یا جائے نماز یا کوئی اور چیز جو آپ کی خدمت میں نظر آتی۔ جو شخص اس کی تعریف کر دیتا وہ اسی کو بخش دیتے۔ [1]

مشائخ چشتیہ رحمۃ اللہ علیہ کا غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک مثالی رہا ہے۔ غیر مسلم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور فیض یاب ہو کر جاتے تھے۔ حیاتِ سلیمانی میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے:

اس بخشائش میں مسلم و غیر مسلم کی تمیز نہ تھی۔ ایک دفعہ آپ مہاراں سے تونسہ کو آ رہے تھے۔ ایک ہندو دکان دار آپ کے ساتھ ہو لیا۔ رستہ میں اس کی سواری کی گھوڑی قضائے الٰہی سے مر گئی۔ (جب) آپ کو علم ہوا (تو) اس کا سامان اپنے قافلے کے اونٹوں پر لاد دیا اور اُسے ایک اور گھوڑی مہیا کر دی۔ جب منزل پر پہنچے تو آپ نے اُسے بخش دی، لیکن دکان دار نے اس کے لینے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ اس کی پرورش سے قاصر ہے۔ آپ نے اس کے عوض دو گائیں خرید دیں۔ [2]

ایم صالح محمد صالح تونسوی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

امیر لوگ ہر قسم کے تحفے زر و نقد آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجتے۔ جوں ہی آتے، تقسیم فرما دیتے۔ ایک دفعہ نواب صادق محمد خان بہاول پور نے آپ کی خدمت میں کئی ہزار روپیہ بطور نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے اُسی وقت فقیروں اور اہل حاجت میں تقسیم کر دیا۔ [3]

[1] ایضاً، ص ٦۴-٦۵

[2] ایضاً، ص ٦۵

[3] ایضاً، ص ٦۵

حیات سلیمان تونسوی ؒ میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی تحریر کیا گیا ہے:

جو چیز آپ کے پاس آتی' جب تک صرف نہ ہو جاتی' آپ کو چین نہ آتا اور بے قراری سی رہ جاتی۔ ایک موقعہ پر حافظ نذر احمد پٹھان بارہ ہزار روپیہ (خرجین بھر کر) نذر لایا۔ مغرب کا وقت تھا' آپ نے فرمایا: اب رات ہے' صاحبزادہ صاحب کے پاس جا کر رکھ دو' سویرے بانٹ دیں گے۔ دوسرے دن اشراق کی نماز کے بعد قلم دوات منگائی۔ سات ہزار صاحبزادگان کی خدمت میں مہار شریف بھیجا۔ پانچ ہزار سنگھڑ کے اہل حاجت میں تقسیم کر دیا۔ جب سب روپیہ تقسیم ہو گیا' تو فرمایا: الحمد للہ کہ میں اس بوجھ سے سبکدوش ہوا۔ مجھے اس بلا کی وجہ سے تمام رات آرام نہیں آیا۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو مال جمع کرتے اور آسودہ رہتے ہیں۔ [1]

ایم صالح محمد صالح تونسوی ؒ نے ایک اور واقعہ حیات سلیمان تونسوی ؒ میں تحریر کیا ہے۔ اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے توکل اور جود و عطا دونوں کا اظہار ہوتا ہے:

ایک دفعہ نواب محمد صادق خان بہاول پور نے کئی ہزار روپیہ بطور نذر پیش کیا۔ آپ نے اسی وقت اہل حاجت میں تقسیم کر دیا۔ نواب نے عرض کی: میری مراد تو یہ تھی کہ اس رقم سے لنگر کے کئی دنوں کا خرچ چل جائے گا۔ فرمایا: یہ لنگر خدا کا لنگر ہے۔ یہاں کے لوگ باجرہ کی روٹی بھی ہضم نہیں کر سکتے۔ ورنہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق بخشی ہے کہ (اگر) چاہوں تو دنیا بھر کو سنہری روپہلی تھالوں میں کھانا کھلاؤں۔ [2]

خاتمہ

آخر میں کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ تونسوی ؒ نے تونسہ کو تعلیمی مرکز بنا دیا تھا۔ وہاں پچاس مدرسین موجود تھے۔ قریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ زیر تعلیم رہتے تھے۔ ان کے تمام اخراجات لنگر سے ادا کیے جاتے تھے۔ مالی وسائل کی بنیاد توکل علی اللہ (اللہ پر توکل) تھا۔ اندرون ملک اور بیرونی ممالک سے طلبہ بھی آتے تھے اور زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر جاتے تھے۔ سیاسی

[1] ایضاً' ص ۶۵

[2] ایضاً' ص ۶۷

افراتفری کے زمانے میں ایسا تعلیمی نظام قائم رکھنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس کے لیے ذہنی یکسوئی ضرورت تھی جو خواجہ تونسوی ؒ نے اپنی روحانی قوت سے فراہم کی ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب ؒ تعلیم نسواں کا اہتمام بھی گھر میں کرتے تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ترجمہ مقدمہ دیوانی ایچ ایف فاربس کا حوالہ دے کر اس دار العلوم کے بارے میں لکھا ہے:

اس (فاربس کے) فیصلے سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب ؒ نے تونسہ کو دار العلوم بنا دیا تھا۔ ان کے دولت کدہ کے چاروں طرف متعدد مدرسہ تھے۔ پچاس استاد وہاں رہتے تھے۔ تعلیم و تربیت کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر وہاں جاری تھا۔ علوم دینیہ کی ترقی و ترویج میں بے حد کوشش کی جا رہی تھی۔ مدرسوں کا اجراء شاہ صاحب ؒ کے مقصد کے حصول کا بہترین ذریعہ تھا۔ صرف اسی طرح سے اسلامی شعار کی ترویج ممکن تھی۔ تونسہ جیسی بستی میں پچاس مدرسین کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ تونسہ اس علاقہ کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا اور دور دور سے شائقین علم وہاں جمع ہونے لگے تھے۔ [1]

اس مبحث کے بالکل آخر میں اس امر کا اظہار مناسب اور موزوں معلوم ہوتا ہے کہ جن علمی اور روحانی روایات کو خواجہ نور محمد مہاروری ؒ (قبلہ عالم ؒ) دہلی سے لے کر آئے اور انہوں نے اپنے خلفاء کے ذریعے ان کی ترویج و اشاعت کی' ان کو درجۂ کمال تک خواجہ تونسوی ؒ نے پہنچایا۔ اس کے نتیجے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح سلسلۂ چشتیہ کا مرکز دہلی سے پنجاب میں منتقل ہو گیا۔ علم کی مثال نور (روشنی) سے دی جاتی ہے' یہ وہ نور ہے جس کی روشنی نہ صرف پنجاب میں پھیلی بلکہ دیگر مختلف ممالک تک پہنچی اور وہاں سے علم (ظاہری و باطنی) کے متلاشی آتے اور اپنے اذہان کو منور کر کے جاتے۔ خواجہ تونسوی ؒ کے بعد ان کے جانشین خواجہ اللہ بخش تونسوی ؒ نے اس نظام کو مزید ترقی دی اور نئے انداز میں آگے بڑھایا۔

[1] تاریخ مشائخ چشت' جلد پنجم' ص ۳۴۱

فہرست مصادر ومنابع

(Bibliography)

(۱) ابوالحسنات ندوی' ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔ امرتسر: وکیل بکڈ پو' ۱۳۴۱ھ۔
احمد اختر' مرزا(خلف اکبر محمد دارا بخت میران شاہ)۔ مناقب فریدی: مطبع احمدی'
۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء۔۱۸۹۷ء۔

(۲) اختر راہی۔تذکرہ مصنفین درسِ نظامی' لاہور: مکتبہ رحمانیہ' ۱۹۷۸ء۔

(۳) ارشد' سید رشید احمد۔ عہد رسول ﷺ میں نظامِ تعلیم' مشمولہ نقوش رسول ﷺ نمبر' جلد
چہارم' جنوری ۱۹۸۳ء۔

(۴) افتخار احمد چشتی' پروفیسر۔ تذکرہ غوث زماں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ۔
فیصل آباد: چشتیہ اکادمی' ۱۹۹۵ء۔

(۵) افتخار احمد چشتی' صمری سلیمانی' پروفیسر۔ حضور قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ'
احوال ومناقب۔فیصل آباد: چشتیہ اکادمی' ۱۹۹۲ء۔

(۶) الطاف علی بریلوی' سید۔ مسلمانانِ پنجاب کی تعلیم' ابتدائے عہد اسلامی سے قیام پاکستان
یعنی ۱۹۴۷ء تک۔ کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ' ۱۹۷۵ء۔

(۷) اللہ بخش بلوچ' مولوی۔ خاتم سلیمانی' ملتان: کتب خانہ صابر ملتانی' ۱۳۲۵ھ [یہ کتاب
لاہور میں خادم التعلیم سٹیم پریس میں طبع ہوئی]۔

(۸) امام بخش مہاروی۔ گلشن ابرار (مرتبہ ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء ۔ ۱۸۶۷ء) مخطوطہ چشتیاں
شریف' کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ' مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی۔
حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار از صالح محمد صالح ادیب تونسوی۔ ملتان: مطبعہ صدیقیہ'
۱۹۵۰ء۔

(۹) امام بخش مہاروی' مخزن چشت (قلمی' فارسی) مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ' مملوکہ پیر

محمد اجمل چشتی فاروقی' چشتیاں شریف۔
مخزن چشت' مکمل اُردو ترجمہ از پروفیسر افتخار احمد چشتی' فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی' ۱۹۸۹ء

(۱۰) امام الدین' نافع السالکین۔ دہلی: مطبع مرتضوی' ۱۸۹۲ء۔
تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ' اُردو ترجمہ نافع السالکین' خواجہ محمد سلیمان
تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات وملفوظات کا گراں قدر مجموعہ۔ ترجمہ از صاحبزادہ محمد حسین
للّٰہی۔ لاہور: شعاعِ ادب' ۱۹۶۱ء۔

(۱۱) اللہ بخش رضا' عرض مترجم واظہار احوال' مشمولہ تذکرہ جمال۔ ملتان: مترجم' ۲۰۰۶ء۔

(۱۲) خلیق احمد نظامی' پروفیسر۔ تاریخ مشائخ چشت۔ دلی: ادارہ ادبیات دلی' ۱۹۸۴ء (جلد پنجم)

(۱۳) روبینہ ترین' ڈاکٹر۔ ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ۔ ملتان:
بیکن بکس' ۱۹۸۹ء۔

(۱۴) ساجدہ سلطانہ علوی' ڈاکٹر (و) جمیل احمد رضوی' سید۔ پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کی تجدید وارتقاء
(اٹھارویں اور انیسوی صدی عیسوی میں)۔ لاہور: دارالفیض گنج بخش' ۲۰۱۷ء (حصہ
اوّل)

(۱۵) سالک' محمد علم الدین۔ علمائے کرام اور دینی مدرسے' مشمولہ نقوش' لاہور نمبر (حصہ اوّل)'
شمارہ ۹۲' فروری ۱۹۶۲ء۔

(۱۵۔۱) سیرت خیر الانام ﷺ: شعبۂ اُردو معارف اسلامیہ' جامعہ پنجاب' لاہور۔

(۱۶) صالح تونسوی' ایم صالح محمد۔ حیاتِ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ۔ تونسہ شریف: چشتیہ کتاب گھر' ۱۹۵۶ء۔

(۱۷) عبدالاوّل الجونپوری۔ مفید المفتی' لکھنؤ: آسی پریس' ۱۳۲۶ھ۔

(۱۸) عبیداللہ ملتانی' سرِ دلبراں۔ لاہور: مطبع فیض عام پریس' ۱۹۰۶ء۔
سرِ دلبراں' ترجمہ از واحد بخش سیال۔ لاہور: صوفی فاؤنڈیشن' ۱۴۰۰ھ۔

(۱۹) عمر کمال خاں۔ نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد۔ ملتان: فاروقی کتب خانہ' ۱۹۷۸ء۔

(۲۰) غلام حسن شہید' منشی۔ انوار جمالیہ (فارسی)' ترجمہ اللہ بخش رضا' مشمولہ تذکرہ جمال۔
ملتان: مترجم' ۲۰۰۶ء۔

(۲۱) گل محمد احمد پوری' خواجہ۔ ذکر الاصفیا فی تکملہ سیر الاولیاء۔ دہلی: مطبع رضوی' ۱۳۱۲ھ۔

ذکرالاصفیاء ترجمہ تکملہ سیرالاولیاء ترجمہ مسعود حسن شہاب۔ بہاول پور: اُردو اکیڈمی ۱۹۷۸ء۔

(۲۲) محمد حسین لِلٰہی ڈاکٹر۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ اور ان کے خلفاء۔ لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن ۱۹۷۹ء۔

(۲۳) محمد رضا انصاری فرنگی محلی بانی درس نظامی استاد الہند ملا نظام الدین محمد انصاری (فرنگی محلی)، نظر ثانی اثر انصاری فیض پوری۔ شیخوپورہ: انصاری فاؤنڈیشن پاکستان فیض پور خورد ۲۰۰۱ء۔

(۲۴) محمد عمر حکیم۔ خلاصۃ الفوائد۔ مخطوطہ ذخیرۂ شیرانی مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور شمارہ ۶۲۷۰ /۱، مکتوبہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء۔

خلاصۃ الفوائد ملفوظات حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ؒ قبلہ عالم ترجمہ محمد بشیر اختر۔ الٰہ آباد: مترجم (؟) (س۔ن)

(۲۵) محمد حفیظ پھلواری۔ عہد نبوی میں علمی ترقیاں مشمولہ نقوش رسول ﷺ نمبر جلد چہارم جنوری ۱۹۸۳ء

(۲۶) مولا بخش چشتی۔ تذکرۃ المشائخ۔ فیروز پور: مطبع صدیقی ۱۳۰۴ھ/۱۹۸۶ء۔۱۹۸۷ء۔

(۲۷) نجم الدین سلیمانی۔ مناقب المحبوبین۔ لاہور: مطبع محمدی ۱۳۱۲ھ/۱۹۸۴ء۔

مناقب المحبوبین مکمل اُردو ترجمہ از پروفیسر افتخار احمد چشتی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔

(۲۸) واحد بخش سیال۔ مقدمہ سِرِ دلبراں ترجمہ واحد بخش سیال۔ بہاولپور: صوفی فاؤنڈیشن ۱۴۰۰ھ۔

(۲۹) یار محمد بن تاج محمد۔ انتخاب مناقب سلیمانیہ۔ لاہور: حمیدیہ سٹیم پریس ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء۔

منتخب المناقب اُردو ترجمہ از اللہ بخش رضاد ملتان: ملک محمد رفیق کھوکھر سنانواں (س۔ن) [یہ انتخابِ مناقب سلیمانیہ کا اُردو ترجمہ ہے]

(۳۰) Bahawalpur State Gazetter, 1904, Compiled and Published Under the Authority of the Punjab Government, Lahore, 1906.

پنجاب میں اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں سلسلۂ چشتیہ کا ارتقاء

لنگر کی روایت

زیر تحقیق منصوبے میں مولانا فخر الدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۵ء) ان کے بڑے خلیفہ حضرت نور محمد مہاروی ؒ (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) اور ان کے چار خلفاء حضرت نور محمد نارووالہ ؒ (۱۱۳۳ھ - ۱۲۰۳ھ/ ۱۷۲۱ء - ۱۷۸۹ء) حافظ محمد جمال ملتانی ؒ (م ۱۱۲۶ھ/۱۸۱۱ء)، قاضی محمد عاقل ؒ (م ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۴ء) اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ (۱۱۸۳ھ-۱۲۶۶ھ/ ۱۷۷۰ء - ۱۸۵۰ء) کے سوانحی حالات، آثار اور دیگر علمی و روحانی خدمات کا مفصل تذکرہ شامل ہے۔ یہ جدید اصولِ تحقیق کے تحت کیا گیا ہے۔ ان ہزاروں صفحات پر مشتمل رپورٹس کو حتمی صورت دینے کا کام ابھی باقی ہے۔ میرے پاس ان صفحات کی عکسی نقول محفوظ ہیں۔ یہ رپورٹس ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی صاحبہ کی نگرانی میں تیار کی گئی تھیں۔ ان کی بنیاد پر اس مقالے کو لکھا گیا ہے۔ اس مقالے میں حضرت نور محمد نارووالہ ؒ کے علاوہ باقی صوفیہ کے لنگر کی روایت کو بیان کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بنیادی مآخذ (Primery Sources) سے استفادہ کیا جائے اور ان ہی کے حوالے دیے جائیں۔ خواجہ نور محمد مہاروی ؒ اپنے شیخ مولانا فخر الدین دہلوی ؒ سے علمی اور روحانی اقدار پنجاب میں لے کر آئے، یہاں پر انہوں نے خانقاہ قائم کی اور اس شمع کو روشن کیا جو وہ دہلی سے لے کر آئے تھے۔ اس طرح پنجاب میں اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں سلسلہ چشتیہ کی تجدید اور ارتقاء کا عمل شروع ہو گیا۔

خانقاہی نظام میں لنگر ایک اہم اور معروف ادارہ ہے جس میں فلاح معاشرہ کا انتہائی مضبوط و مستحکم نظام موجود ہے۔ اس میں طلبہ، زائرین اور دیگر ملاقات کرنے والے استفادہ کرتے ہیں۔ عہد حاضر میں تعلیمی اداروں کے ہاسٹل (Hostel) میں طعام گاہ (Mess) کا

جو تصور ہے، یہی لنگر کے نظام کا ہے، لیکن یہ مفت ہے۔ اس میں استفادہ کرنے والوں کو کچھ ادا نہیں کرنا پڑتا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب لنگر کے نظام نے ارتقائی منازل طے کیں، تو اس میں بہت وسعت پیدا ہوئی اور اس کے وظائف مختلف النوع ہو گئے جیسے مریضوں کے لیے دوا کا انتظام، طلبہ اور اساتذہ کے لیے لباس کی فراہمی وغیرہ۔

ریاض الاسلام لنگر کے بارے میں لکھتے ہیں:

لنگر (مفت طعام) صوفیہ کے ہاں سماجی خدمت کا ایک اہم ادارہ ہے۔ لنگر کا یہ تصور متحدہ ہندوستان اور خراسان کے ساتھ مخصوص تھا۔ خراسان ایران کا وہ حصہ ہے جو ہندوستان کے قریب ترین علاقوں میں سے ہے۔ ہندوستان میں چشتی حضرات (شیوخ) لنگر کو بالخصوص بہت اہمیت دیتے تھے۔ بہت سا غلہ فتوح کے طور پر آتا تھا، اس کا ایک حصہ لنگر کے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ سادہ غذا بہت مقدار میں تیار کی جاتی تھی اور دن میں دو بار تقسیم کی جاتی تھی۔ کوئی شخص بھی آ کر اپنے لیے غذا حاصل کر سکتا تھا۔ شیخ نظام الدین کے ایک مرید لکھتے ہیں کہ شیخ لنگر کے اوقات میں خاص خیال رکھتے تھے کہ اس کی غذا درست طریقے سے تقسیم کی جاتی ہے۔ [1]

مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ فخر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کے بارے میں بیان کیا۔ اس کو سید محمد زاہد شاہ صاحب ''اسرار الکمالیہ'' نے لکھا ہے:

حضرت قبلہ حافظ محمد جمال قدس سرہ نے بیان فرمایا کہ جب حضرت محبوب الاحد خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت محب النبی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ان کے شیخ تھے، دہلی میں ان کی زیارت کے لیے گئے۔ انہوں نے وہاں دیکھا کہ فقراء و درویش میں سے جو بھی وہاں موجود تھے، ان کے کھانے کا وظیفہ وہاں مقرر تھا اور مقدار تقریباً نصف پاؤ سے ایک چھٹانک تک کی روٹی مذکورہ افراد کو استعداد کے مطابق دیتے تھے، چونکہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں گئے ہوئے تھے (اس لیے) حضرت محب النبی نے خادم طباخ یعنی لانگری کو حکم دے دیا تھا کہ میاں صاحب محبوب الاحد قدس سرہٗ کے یار دوست مہمان ہیں، انہیں پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں یعنی آدھ سیر روٹی ایک وقت

[1] Riazul Islam, Sufism In South Asia, Impact on Fourteenth Century Muslim Society (Karachi: Oxford University Press, 2003), P.338

میں آٹھ پہر کے اندر ہر ایک کو دے دیں۔ چونکہ وہ لوگ بسیار خور تھے، سیر نہیں ہوتے تھے، مگر کسی کے دعوت کے وقت، کیوں کہ کچھ لوگ حضرت محبوب الاحد کے پیر بھائیوں میں سے تھے اور وہ لوگ اکثر پیر بھائیوں کی دعوت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان پیر بھائیوں میں سے ایک سید تھے اور مجذوب تھے۔ وہ ایک دن حضرت محبوب النبی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت محبوب الاحد کی آج میں دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ وہ درحقیقت نہایت مفلس تھے اور حضرت کے لنگر سے ہی کھانا کھاتے تھے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور پوچھا کہ ضیافت کا سامان کہاں سے لاؤ گے؟ عرض کی کہ حضور ہی مرحمت فرمائیں گے۔ حضرت نے فرمایا: خوب اور بہتر ہوگا۔ آپ نے لانگری کو حکم دیا کہ شاہ جی میاں صاحب کی دعوت کرنا چاہتے ہیں، کیا کچھ گوشت ہوگا اور اس قدر کھانا۔ حضرت کے فرمان کے مطابق اسی وقت لانگری نے کھانا وغیرہ تیار کیا۔ دوستوں نے کھانا کھایا۔ سبحان اللہ! حضرت محب النبی کیا حسنِ خلق رکھتے تھے۔ [1]

نافع السالکین میں لنگر کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نور محمد مہاروری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے نظام لنگر کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کی وسعت کی تفصیل اپنے مقام پر دی جائے گی۔ یہاں پر نافع السالکین کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

سنا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہٗ کے وقت درویشوں کو مٹھی بھر کچے دانے دیے جاتے تھے اور فخر الاولین والآخرین شیخ محمد فخر الدنیا والدین جہاں آبادی قدس سرہٗ کے زمانہ میں رات دن میں پاؤ بھر کی ایک روٹی بازار سے لا کر دی جاتی تھی اور وہ بھی کبھی میسر نہ ہوتی تھی۔ راہِ حق کے سالکوں نے فقر و فاقہ پر صبر کر کے اپنے کام میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ حتیٰ کہ بہت سے درویش آپ کے وصال کے بعد بھی اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوئے بلکہ آپ کے آستانہ مبارک پر ہی فوت ہوئے اور حضرت قبلہ عالم (خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ) کے زمانہ میں درویشوں کو دونوں وقت روٹی دی جاتی تھی اور اگر کسی کو کچھ بیماری ہوتی تو اس کے دوا دارو کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں کی جاتی تھی اور اس زمانہ میں اس فقیر

[1] اسرار الکمالیہ، سید محمد زاہد شاہ، فارسی مخطوطہ چشتیاں شریف، ص ۵۔ اسرار الکمالیہ (اُردو ترجمہ)، مشمولہ تذکرہ جمال، ترجمہ و ترتیب از اللہ رکھا رضا، مکتبۃ الجمال، ملتان، ۲۰۰۶ء، ص ۲۴-۲۵

(خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ) نے درویشوں کے لیے دو وقت کی روٹی کے علاوہ کپڑے گھی اور ادویات علیحدہ مقرر کی ہیں تا کہ ہر شخص بہت خاطر کے ساتھ حق تعالیٰ کی یاد کر سکے۔ [1]

حضرت نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ (قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ)

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی لنگر کا باقاعدہ نظام موجود تھا۔ ان کے ملفوظات میں بھی اس کی ترغیب ملتی ہے۔ اپنے زیر تربیت خلفاء کو اس کی تربیت بھی دیتے تھے۔ خلاصۃ الفوائد اور مناقب المحبوبین میں حضرت مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے مختصر کلمات ملتے ہیں جو لنگر کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ چند ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

فرمایا: اگر کوئی شخص مخلوق کو خوش کرے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو نے مجھے خوش کیا اور یہ سب جانتے ہیں اور اس کے قائل ہیں۔ [2]

اگر اس ملفوظ کی روشنی میں لنگر کے ارادہ کو دیکھا جائے تو اس کی اہمیت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ اس سے فلاح و بہبود معاشرہ (Community Welfare) کا تصور اور اس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

فرمایا کہ سخاوت وہ قابل قدر ہے جو تنگدستی میں کی جائے اور معافی وہ قابل قدر ہے جو قدرت رکھنے کے باوجود کی جائے۔ یہ دونوں باتیں بہت خوب ہیں۔ لنگر سخاوت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ [3]

ایصال ثواب کے حوالے سے فرمایا:

---

[1] امام الدین، نافع السالکین، ملفوظات شاہ سلیمان تونسوی، مطبع مرتضوی، دہلی، ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء؛ ص ۱۷-۱۸، تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، اردو ترجمہ نافع السالکین، خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے ارشادات و ملفوظات کا گراں قدر مجموعہ، ترجمہ از صاحبزادہ محمد حسین للہی، شعاع ادب، لاہور، ۱۹۶۱ء؛ ص ۵۸-۵۹

[2] نجم الدین سلیمانی، مناقب المحبوبین، مطبع محمدی، لاہور، ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء؛ مناقب المحبوبین، تذکرہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ مکمل اردو ترجمہ از افتخار احمد چشتی، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء؛ ص ۱۹۸

[3] ایضاً، ص ۹۴۔ ایضاً، ص ۲۰۲

آپ نے فرمایا کہ مردوں کی روحیں خواہ نیک ہوں یا بد اپنے گھر ضرور آتی ہیں۔ واقعی مردوں کی ارواح سے کلام کرنا ایک اچھی بات ہے، لیکن اس سلسلہ میں کچھ خرچہ وغیرہ بھی کرنا پڑتا ہے اور روٹی بھی پکانی پڑتی ہے، کیوں کہ روٹی پکانے پر وہ ذرا جلدی آتی ہیں اور اچھی طرح گھل مل جاتی ہیں۔ [1]

قبلۂ عالم کے بارے میں جن بنیادی مآخذ کا مطالعہ کیا گیا، ان میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جو لنگر کی ضرورت اور افادیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ذیل کا واقعہ بھی اس ضمن کے حوالے سے ہے:

ایک دفعہ فرمایا کہ میاں عیسیٰ جعفر اور غلام حیدر ہمارے (خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ) ساتھ تھے۔ ایک رات ہم نے سیت پور میں گزاری۔ صرف ایک پیسہ ہمارے پاس تھا۔ اس سے ہم نے کچے چنے خریدے اور کھا لیے۔ صبح سویرے وہاں سے چلے اور صالح پور میں جو کہ احمد پور کے ساتھ ہے، حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی نصیب ہوئی۔ قبلہ عالم قدس سرہٗ نے پوچھا کہ کل تم نے کیا کھایا؟ عرض کیا کہ غریب نواز نخود خام۔ تبسم کر کے فرمایا کہ نخود خام بھی کوئی خوراک ہے۔ اس کے بعد میاں مشتاق کو فرمایا کہ یہ سنگھڑ کے علماء ہیں اور بھوکے ہیں، ان کو کوئی چیز دو۔ میاں غلام حیدر گیا اور کھانے کی کوئی چیز لے آیا جس کو ہم نے تناول کیا۔ [2]

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کی وسعت درج ذیل الفاظ میں بیان کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی تربیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے:

...... یہ بات بھی اپنی جگہ پر واضح تھی کہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر شریف کی کوئی کمی نہیں تھی۔ گوشت، پلاؤ، حلوہ، لسی اور مکھن کافی مقدار میں خرچ کرتے تھے۔ یوں لگتا تھا گویا تمام عالم آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر شریف سے چلتا تھا، مگر دوسروں کے لیے سب کچھ تھا اور میرے لیے لنگر شریف خرچ کرنے کی گویا کوئی صورت نہ تھی۔ [3]

---

[1] ایضاً، ص ۹۵-۹۶۔ ایضاً، ص ۲۰۴

[2] امام الدین، نافع السالکین، ص ۱۰۱۔ نافع السالکین (اردو ترجمہ)، ص ۴۴-۴۵

[3] یار محمد بن تاج محمد۔ انتخاب مناقب سلیمانیہ، حمیدیہ سٹیم پریس، لاہور، ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء؛ ص ۴۴۔ منتخب المناقب (اردو ترجمہ)، ترجمہ از اللہ بخش رضا، ملک محمد رفیق کھوکر، ملتان، ص ۱۱۰

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی لنگر کی تقسیم میں تربیت بھی کی۔ ''انتخاب مناقب سلیمانیہ'' میں ایک واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

......پس زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ مجھے یاد فرمایا' حاضر ہوا' فرمایا: بیٹھ جاؤ' میں بیٹھ گیا۔ پس ایک تھال میں کہ جس میں دو روٹیاں پراٹھا جن پر شکر پڑی ہوئی تھی' ایک درویش سے طلب فرمائے اور میرے آگے رکھ دیے' حکم ہوا کہ کھاؤ۔ میں نے شرم کی وجہ سے ہاتھ تک نہ بڑھایا۔ پھر ارشاد فرمایا: میرے ساتھ کھاؤ۔ اس فرمان پر بھی میں دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس روٹی سے دو لقمے توڑے' ایک میرے ہاتھ میں دیا' فرمایا میاں کھاؤ اور ایک لقمہ خود تناول فرمایا۔ مجبوراً میں نے کھانا شروع کیا۔ چند بار میری طرف توجہ فرماتے رہے۔ آخر میں نے اپنے ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔ تقریباً دو حصہ روٹی کامل کر کھایا اور باقی حصہ میں نے اکیلا کھایا۔ جب ایک روٹی باقی رہ گئی تو وہ بمعہ (مع) تھالی میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ یہ روٹی بیٹھے ہوئے درویشوں میں تقسیم کر دو۔ حسب ارشاد میں نے عمل کیا۔ فارغ ہو کر میں نے سلام کیا۔ میری طرف نظر فرما کر فرمایا کہ آئندہ خبردار رہو۔ پس صاحبزادہ صاحب نے یہ واقعہ سننے کے بعد فرمایا: حضرت! اس روٹی کا تقسیم کرنا اور کھلانا درحقیقت یہی ثمرہ دیا کہ یہ حضرت ان کے لنگر کی تقسیم کرنے والے ہیں۔ اس موقع پر حضرت فخر الاولیاء قدس سرہٗ یہ لفظ زبان مبارک پر لائے' جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ تمام کا تمام حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت سے ہے۔[1]

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کا سلسلہ حالت سفر میں بھی جاری رہتا تھا۔ ایسے بہت سے واقعات بنیادی مصادر میں ملتے ہیں جن سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر کرنے والے لنگر سے استفادہ کرتے تھے' بلکہ اگر راستے میں کچھ اور لوگ ہم سفر ہو جاتے تو ان کو بھی لنگر سے کھانا پیش کیا جاتا تھا۔ گویا لنگر

[1] ایضاً' ص ۴۶۔ منتخب المناقب (اُردو ترجمہ)' ص ۱۱۲۔ ۱۱۳
اس پورے واقعہ کا سیاق و سباق منتخب المناقب (اُردو ترجمہ) کے صفحات ۱۱۰ تا ۱۱۳ پر موجود ہے۔ تفصیل ان صفحات پر دیکھی جا سکتی ہے۔

کا انتظام سفر اور حضر دونوں میں جاری رہتا تھا۔ ذیل میں اس حوالے سے دو واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

''رسالہ اسرار الکمالیہ'' میں حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے سفر دہلی اور واپسی پر انہوں نے اجمیر شریف حاضری دینے کا ذکر ہے۔ حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا:

میرے شیخ کریم حضور قبلہ حافظ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اجمیر شریف میں پہنچتے وقت میرے پاس حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کے پانچ سو روپے نقد اور کچھ ساز و سامان اور کپڑے وغیرہ بھی تھے' تو حضرت قبلہ نے وہ سب کچھ حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ) کے خدام و خلفاء میں تقسیم فرما دیے۔ ادھر سے آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا کہ میں ان کی محافظت کی قید سے چھٹکارہ حاصل کر چکا ہوں۔ حضرت صاحب قبلہ اجمیر شریف سے رخصت ہوئے تو خواجہ بزرگ کے آستانہ معلیٰ پر موجود تمام خدام و فقراء و خلفاء جو حضرت صاحب قبلہ کے دامن گرفتگان و وابستگان میں سے تھے' وہ لوگ کافی فاصلہ طے کر کے بیرون شہر آ کر حضرت صاحب قبلہ کو رخصت کیا اور بہت سا نذرانہ بھی پیش کیا۔ یوں پہلے سے بھی زیادہ سامان نقدی اور پارچات وغیرہ حضرت کے پاس جمع ہو گیا۔ میرے مرشد کریم فرماتے تھے کہ پھر ان کی محافظت و نگرانی میرے سپرد کر دی گئی۔[1]

''رسالہ اسرار الکمالیہ'' میں حافظ محمد جمال ملتانی کی زبانی ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی پاکپتن شریف جا رہے تھے' راستے میں ایک خراسانی شیخ سے ملاقات ہو گئی۔ اس رفیق سفر اور ان کے ساتھیوں کو کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کھانا لینے سے انکار کر دیا اور اس کی وجہ بھی بیان کی۔ اس واقعہ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

مرشد کریم حضرت حافظ محمد جمال قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کریم حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ہمراہ پاکپتن شریف جا رہا تھا' ایک مقام پر پڑاؤ کرنے کا اتفاق

[1] اسرار الکمالیہ' مخطوطہ چشتیاں شریف' ص ۶۔ اسرار الکمالیہ (اُردو ترجمہ) مشمولہ تذکرۂ جمال' ص ۲۸۔ ۳۰۔ ان صفحات پر اس پورے واقعہ کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

ہوا۔ حضرت کے رفقاء و ہمراہی کم و بیش پانچ سو کے لگ بھگ تھے۔ اتفاق سے ایک نیک بخت شیخ جو مشائخ خراسان میں سے تھے، وہ بھی چالیس افراد کے ساتھ حضرت کے رفیق سفر بنے۔ ایک ہی جگہ رات گزارنے کا اتفاق ہوا، وہاں کے مکینوں نے حضرت کے لیے ضیافت کا اہتمام کیا۔ جب کھانا لایا گیا، تو حضرت قبلہ نے اپنے خادم و لانگری کو حکم دیا کہ سب سے پہلے کھانا ان خراسانی ہم سفروں کو پہنچائیں، کیوں کہ وہ مہمان ہیں۔ خادم حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا حکم بجا لایا۔ جب کھانا ان کے پاس لے گئے تو انہوں نے کہا کہ میں اس ملک کا کھانا نہیں کھاتا، کیوں کہ یہاں کے لوگ ڈاکے مارتے ہیں، یعنی چوری کا مال کھاتے اور کھلاتے ہیں، میں اپنی گرہ سے کھانا کھاؤں گا۔ خادم واپس آ گیا اور تمام صورتِ حال سے حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی، تو حضرت نے فرمایا: اچھا۔ صبح جب اس علاقہ سے آگے کو روانہ ہوئے، تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے علیحدہ راہ پر چل پڑے۔

اتفاق سے آگے جا کر کہیں چوروں نے گھیر لیا۔ سب کچھ ان سے لے لیا اور ان کو بری طرح لوٹ لیا۔ جب کہ حضرت قبلہ کے ہمراہی بخیریت پہلے ہی آگے چلے گئے۔ پھر اتفاق سے رات کو ایک ہی جگہ پر اکٹھے ہوئے۔ حضرت قبلہ نے لانگری کو حکم فرمایا کہ پہلے انہیں کھانا دے دو۔ خادم نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے جلدی جلدی کھانا لانگری سے لے لیا اور کھایا۔ حضرت صاحب قبلہ کو جب اس بات کی اطلاع ہوگئی تو فرمایا: سبحان اللہ! کل رات تو یہ کھانا حرام تھا اور آج حلال ہوگیا۔

پھر آپ نے فرمایا جو بھی کھانے کے بارے تفتیش و تجسس کرتا ہے اور میزبان سے پوچھتا ہے کہ کھانا کہاں سے لائے ہو؟ کیسے لائے ہو؟ اور کس سے لائے ہو؟ حرام ہے یا حلال ہے؟ ایسا کرنا واجب کا ترک کرنا ہے۔ اس لئے جب تک ظاہر طور پر کھانے کی حرمت ثابت نہیں ہوگی، شرعی طور پر اس کا کھانا جائز ہے۔ ہاں، حرمت کے معلوم ہونے پر حرام ہے۔ [1]

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفاء کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے اور لنگر کے حوالے سے ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ مخزن چشت میں حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ واقعہ لکھا ہوا ہے:

---

[1] ایضاً، ص ۱۳-۱۴۔ ایضاً، ص ۶۰-۶۲

کہتے ہیں کہ ایک بار بہت سے لوگ زیارت کے لیے اکٹھے آئے۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے غلام رسول لانگری سے پوچھا کہ کیا ان سب نے کھانا کھالیا ہے؟ لانگری نے عرض کیا، سب نے کھالیا ہے مگر حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عجیب بات ہے کہ جو شخص پورے فقر کا بوجھ اٹھانے کے لیے آیا ہے، تم نے اسے ابھی تک کھانا ہی نہیں پہنچایا۔ [1]

قبلۂ عالم کے لنگر کے حوالے سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ ان کے لنگر خانہ کے اخراجات کس طرح پورے ہوتے تھے۔ بظاہر فتوحات کا سلسلہ مستقل ذریعۂ آمدنی معلوم نہیں ہوتا۔ صوفیہ کی خانقاہوں اور ان کے قائم کردہ مدارس کو چلانے کے لیے اربابِ اقتدار کی دی گئی جاگیریں (معافی) بہت ذریعۂ آمدنی تھیں۔ قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں نواب محمد بہاول خان ثانی (م ۱۸۰۹ء) فرمانروائے چہارم، مملکت خداداد بہاولپور بھی شامل تھا۔ نافع السالکین میں یہ حوالہ ملتا ہے کہ اس نے قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو دی گئی جاگیر ضبط کر لی تھی جو (قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد) خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش سے واگزار کر دی گئی۔ اس جاگیر کی آمدنی سے خانقاہ کا انتظام اور درویشوں کے اخراجات پورے ہونے کا نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ اس کی تفصیل بعد میں دی جائے گی۔

یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر خانہ میں قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا بیان مناقب فریدی میں موجود ہے۔ متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

......مشہور ہے ہمیشہ حضرت (قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ) کل اپنی فتوحات کو قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کر دیا کرتے تھے، بلکہ جب مہاراں شریف میں حاضر ہوتے تو پہلے قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مودی کا حساب چکا کر بعد میں حضرت پیر مرشد کی قدم بوسی سے مشرف ہوتے اور بعد انتقال قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے تاحیات صاحبزادگان کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ ہر فصل پر اس قدر غلہ

---

[1] امام بخش مہاروی، مخزن چشت، مخطوطہ چشتیاں شریف مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی، ص ۴۲۱۔ مخزن چشت، مکمل اُردو ترجمہ پروفیسر افتخار احمد چشتی، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء، ص ۴۲۴

کہ جو چھ ماہ کے خرچ کو کافی ہو' کشتیوں پر بار کرا کر خود لے جایا کرتے تھے۔ ایک بار منجانب صاحبزادہ نور الصمد صاحب نواب صاحب والی ریاست بہاولپور نواب بہاول خان بہادر کو یہ شک پیدا ہوا کہ صاحبزادہ صاحب ارادہ تسخیر ملک کا رکھتے ہیں' اس پر ناخوش ہو کر معافی (جاگیر) ضبط کی' جو سالانہ پیشکش ہوتا تھا بند کیا' اس حالت میں حضرت ہی امداد و خدمت گزاری تمام اہل و عیال قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی فرماتے رہے اور آخر نواب صاحب موصوف سے صفائی کرادی۔ [1]

نافع السالکین میں قبلۂ عالم کو جاگیر دینے کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی تفصیل دو حوالوں سے ذیل میں دی جاتی ہے۔ ایک حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر محمد خان پرجانی نے جاگیر دی تھی۔

نیز فرمایا کہ خان محمد خان پرجانی نے حضرت قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کو درویشوں کے اخراجات کے واسطے جاگیر دی تھی' بعد میں اس جاگیر کو بہاول خان کلاں مرحوم (م ۱۸۰۹ء) نے ضبط کر لیا' لیکن حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اپنی زندگی میں اس کی بالکل کوئی پرواہ نہ کی۔ حضرت حافظ صاحب محمد جمال ملتانی اور حضرت قاضی صاحب محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہما نے اس فقیر کو جاگیر مذکور کی واگزاری کے واسطے خان موصوف کے پاس بھیجا۔ جب ہم نے خان موصوف سے ملاقات کی تو خان موصوف نے کہا کہ ہم بھی حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت رکھتے ہیں' ہم نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم کو تمہاری ارادت کی کوئی علامت اور نشانی نظر نہیں آتی اور یہ مثال بتائی کہ جس جگہ آگ جلائی جاتی ہے وہاں سے دھواں اٹھتا ہے۔ اگر تم کو حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ سے ارادت ہوتی تو اس کی علامات بھی ظاہر ہوتیں۔ اس کے بعد خان موصوف نے جاگیر کو واگزار کر دیا۔ [2]

---

[1] مرزا احمد اختر' (خلف اکبر محمد دارا بخت میران شاہ) مناقب فریدی' مطبع احمدی' دہلی' ۱۳۱۴ھ' ص ۶۴-۶۵

[2] نافع السالکین' ص ۴۷۔ نافع السالکین (اُردو ترجمہ)' ص ۱۷۴-۱۷۵۔

اس کتاب کے دوسرے مقام پر جاگیر کی واگزاری کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ یہ قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد کا واقعہ ہے۔ حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے کہا کہ آپ خان موصوف کے پاس جائیں اور صاحبزادگان کے لیے جاگیر کی واگزاری کی بات کریں۔ جب غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ کی خان موصوف سے پہلی ملاقات تو اس کی (بقیہ حاشیہ اگلہ صفحہ)

حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان میں اپنا ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ اس میں وہ بھی پڑھاتے تھے۔ اس مدرسہ کے ساتھ ایک لنگر خانہ بھی تھا جس سے طلبہ کو کھانا فراہم کیا جاتا تھا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس مدرسے کے بارے میں لکھا ہے:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان میں اپنا مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ علم و فضل کا اعلیٰ مرکز تھا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال تک اس مدرسہ میں پڑھا تھا اور حافظ صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ [3]

اس مدرسہ کے متعلق ''تذکرۂ جمال'' کے شروع میں اللہ بخش رضا نے لکھا ہے:

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان میں اپنا ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ یہ مرکزی مدرسہ چاہ شاہی کے قریب شاہی مسجد میں قائم تھا جو آپ کے دربار کے سامنے ہے۔ رشد و ہدایت اور اصلاح و تبلیغ اور تربیت کے لیے ملتان کی مختلف مساجد میں آپ درس دیتے تھے۔ [4]

مولوی خدا بخش ملتانی (خلیفہ اول حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ) ملتان میں حافظ صاحب کے مدرسہ کے منتظم و مدرس بھی تھے۔ واحد بخش سیال ''سر دلبراں'' (اُردو) کے مقدمہ میں ان کی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ)...... عجیب حالت دیکھی۔ اس کی تفصیل مولوی غوث بخش نے خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو بتائی۔ جب دوسری ملاقات ہوئی تو خان موصوف قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کی تنگی کا ذکر کرنے لگا اور کہا کہ دعا کریں کہ ان کے لنگر کی تنگی دور ہو جائے۔ اس پر خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے شعر پڑھا:

جہاں پُر سماع است مستی و شعور ولیکن چہ بیند در آئینہ کور

یہ شعر سن کر خان موصوف اٹھ کر چلا گیا اور مولوی غوث بخش سے کہا کہ مجھے اس درویش کی جلالی طبیعت سے بہت ڈر لگتا ہے' جو کچھ ان کا مقصد و مدعا ہے پورا کر دو تاکہ خیریت سے یہاں سے چلے جائیں' چنانچہ خواجہ تونسوی اپنا مقصد پورا کر کے خانقاہ مبارک پر واپس پہنچ گئے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: نافع السالکین (فارسی)' ص ۶۷-۶۸۔ نافع السالکین (اُردو ترجمہ)' ص ۱۶۷-۱۶۹

[3] پروفیسر خلیق احمد نظامی' تاریخ مشائخ چشت' ادارہ ادبیات دلی' دہلی' ۱۹۸۴ء' جلد پنجم' ص ۳۲۰

[4] اللہ بخش رضا' عرض مترجم و اظہار احوال' مشمولہ تذکرہ جمال' مترجم' ملتان' ۲۰۰۶ء' ص ۶ ؟

حضرت خواجہ خدا بخش کی پیدائش ۱۱۵۱ھ میں بمقام تلمبہ ہوئی۔ آپ کے والد ماجد بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم تلمبہ ہی میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دارالعلوم مدرسہ رحیمیہ میں داخل ہوئے۔ دہلی میں آپ کو بڑے بڑے علماء و مشائخ کا فیض صحبت حاصل رہا۔ [1]

مدرسہ اور لنگر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ مدارس میں طلبہ اور دیگر زائرین کو لنگر سے طعام دیا جاتا تھا۔ پہلے حافظ محمد جمال ملتانی کے حوالے سے نظم و نسق مدرسہ کے ذیلی عنوان کے تحت ایک واقعہ لکھا جا چکا ہے۔ اس کو انوار جمالیہ از منشی غلام حسن شہید (م ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۵ء) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ میں دو طالب علموں کے جھگڑنے کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک نے حضرت حافظ محمد جمال ملتانی ؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر دوسرے کی شکایت کی۔ حافظ صاحب ؒ نے حافظ خدا بخش ؒ کو لکھا کہ فلاں طالب علم کے اسباق بند کر دیئے جائیں اور لنگر سے کھانا بھی نہ دیا جائے۔ اس واقعہ کا انجام اس طرح ہوا کہ طالب علم مذکور نے حضرت حافظ خدا بخش ؒ کی راہنمائی سے قصیدہ بہشتی کے اشعار خوش الحانی کے ساتھ حافظ محمد جمال ملتانی ؒ کی خدمت میں حاضر ہو پڑھے۔ ان کو سن کر حافظ صاحب نے طالب علم کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اس کو خصوصی انعام دیا اور خاص لباس عطا کیا۔ مزید برآں حافظ خدا بخش صاحب ؒ کو لکھا کہ اس پر پہلے سے زیادہ توجہ دیں سبق اور کھانے وغیرہ میں بھی اضافہ کریں۔ اس واقعہ کی تفصیل پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مدرسہ کی تعلیم اور لنگر کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ [2]

حافظ محمد جمال ملتانی کا علمی مرکز ملتان سے خیر پور ٹامیوالی میں منتقل ہونے کے متعلق پیش گوئیاں ملفوظات میں موجود ہیں۔ گلشن ابرار میں اس کی تفصیل دی گئی ہے:

---

[1] واحد بخش سیال چشتی، مقدمہ، سردلبراں، ترجمہ از واحد بخش سیال، صوفی فاؤنڈیشن، بہاولپور، ۱۴۰۰ھ، ص ۲۳

[2] منشی غلام حسن شہید ملتانی، انوار جمالیہ، مخطوطہ چشتیاں شریف مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی، ص ۹۸-۹۹۔ انوار جمالیہ، ترجمہ از اللہ بخش رضا، مشمولہ تذکرۂ جمال، مترجم، ملتان، ۲۰۰۶ء، ص ۶۳ - ۶۵

انوار جمالیہ میں لکھا ہے کہ ایک بار جناب حافظ صاحب ؒ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ عالم رویاء میں مجھے دکھایا گیا ہے کہ قضاء و قدر کے فرشتے میرے فیض کو خیر پور کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حافظ محمد سعید کہتے ہیں کہ میں نے جناب حافظ صاحب ؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: ہمارے دین کا علم خیر پور میں چلا گیا ہے۔ میں حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ جب حافظ صاحب ؒ مہار شریف کی طرف تشریف لاتے تھے تو فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ خیر پور شریف میں ایک مکان بنواؤں اور وہیں ڈیرہ ڈال دوں۔ الغرض ویسا ہی ظاہر ہوا جیسا کہ جناب کے ارشادات تھے۔ [1]

جب کافروں (سکھوں) نے قلعہ ملتان فتح کر لیا تو زمانہ کے بڑے بڑے صلحاء وہاں سے نکل کر اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب حافظ صاحب ؒ نے حضرت مولانا کی صورت میں اپنی سکونت خیر پور شہر میں اختیار کی۔ [2]

ملتان سے ہجرت کرنے کے بعد مولوی خدا بخش صاحب ؒ نے پہلے موضع دنیا پور المعروف راولے والہ کچھ دیر قیام کیا۔ اس کے بعد چیلا وہن میں ٹھہرے۔ پھر نواب بہاول پور محمد صادق خان [ثانی] (عہد حکومت: ۱۸۰۹ء - ۱۸۲۵ء) ان کو خیر پور میں لے آئے۔ گلشن ابرار میں ان کی خیر پور آمد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

جب حضرت محبوب اللہ مولانا صاحب کی تشریف آوری کی خبر خان صاحب محمد صادق خان والئ ریاست بہاول پور کو پہنچی، تو جناب نواب صاحب منت وزاری کے ساتھ ان کو خیر پور میں لے آئے۔ ان کے خدام کا روزینہ مقرر کیا اور لنگر شریف کا تمام خرچ اپنے ذمے لے لیا۔ حضرت مولانا صاحب مدتوں اس شہر میں رہے۔ خیر پور شریف ان کے وجود سے رشک گلزار ہو گیا۔ وہاں ایک عمدہ مسجد، ایک محفوظ کنواں اور عمدہ مہمان سرائے، فقراء کے لیے حجرے اور

---

[1] امام بخش مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ چشتیاں شریف مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی، ص ۴۱۴ - ۴۱۵۔ حدیقۃ الاخیار، ترجمہ گلشن ابرار، ترجمہ از صالح محمد صالح ادیب تونسوی، مطبع صدیقیہ، ملتان، ۱۹۵۰ء، ص ۲۹۲

[2] ایضاً، ص ۴۱۵۔ ایضاً، ص ۲۹۲ - ۲۹۳

دیگر لوگوں کے لیے عمارتیں تعمیر کیں۔ [۱]

مخزن چشت میں خیر پور میں ہزاروں طلبہ کو پڑھانے کا ذکر ملتا ہے:

......مولوی صاحب وہاں سے ہجرت کر کے خیر پور تشریف لے گئے اور وہاں ہزاروں طلبہ کو اپنے فیض سے متمتع کرنا شروع کیا۔ [۲]

قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مخدوم نور محمد تھے۔ شاہجہان بادشاہ غازی (عہد حکومت ۱۶۲۷ء۔۱۶۵۸ء) کے وزیر دوم امیر ارادت خان مخدوم صاحب کے مرید ہوئے۔ انہوں نے بادشاہ سے مخدوم صاحب کا حسب و نسب اور اوصاف حمیدہ بیان کیے۔ چنانچہ شاہی فرمان جاری ہوا جس کی رو سے مخدوم صاحب کو پانچ ہزار بیگھہ اراضی دی گئی۔ [۳]

یہ ایک بڑی جاگیر تھی جو قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مخدوم نور محمد کو عطا ہوئی تھی۔ یہ اس خاندان کے تصرف میں رہی۔ اس کے لیے اورنگ زیب عالمگیر (عہد حکومت ۱۶۵۸ء۔ ۱۷۰۷ء) کے عہد میں ایک شاہی فرمان جاری ہوا جس کے مطابق یہ جاگیر اس خاندان کے تصرف میں رہی۔ یہ شاہی فرمان مناقب فریدی کے صفحہ ۴۷ پر دیا گیا ہے۔ [۴]

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۴۷ اور ۴۸ پر تیمور شاہ بادشاہ کابل خلف احمد شاہ ابدالی کے فرمان کی نقل درج کی گئی ہے۔ صفحہ ۴۷ پر اس کا عنوان اس طرح دیا گیا ہے:

نقل فرمان تیمور شاہ بادشاہ کابل خلف احمد شاہ ابدالی۔ ان دو فرامین میں اس جاگیر کو بحال رکھا گیا ہے۔ [۵]

قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کی اس جاگیر کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ اہم عامل

---

[۱] ایضاً، ص ۲۱۷۔ ایضاً، ص ۲۹۴۔۲۹۵

[۲] امام بخش مہاروی، مخزن چشت (مخطوط)، ص ۴۴۷۔ مخزن چشت، مکمل اُردو ترجمہ، ص ۴۴۵ [تفصیل کے لئے دیکھئے: مخزن چشت، مکمل اُردو ترجمہ، ص ۴۴۴۔۴۴۵]

[۳] اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: مناقب فریدی، ص ۴۵۔۴۶

[۴] ایضاً، ص ۴۷

[۵] تفصیل کے لیے دیکھئے: مناقب فریدی، ص ۴۷۔۴۸

(Factor) ہمارے سامنے آتا ہے جو قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کو چلانے میں بھی قابل قدر کردار ادا کرتا رہا ہے اور صاحبزادگان مہاروی کی خدمت بھی اسی جاگیر سے قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کرتے رہے۔ اس کا ذکر بھی مناقب فریدی میں کیا گیا ہے:

......بعد انتقال قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے تاحیات صاحبزادگان کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ ہر فصل پر اس قدر غلہ کہ جو چھ ماہ کے خرچ کے لیے کافی ہو، کشتیوں پر بار کرا کرا کثر خود لے جایا کرتے تھے۔ [۱]

پروفیسر خلیق احمد نظامی قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر خانہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یہ روایت تکملہ سیر الاولیاء کے حوالے سے ہے۔

خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کو ابتداء ہی سے درس و تدریس کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے کوٹ مٹھن میں نہایت اعلیٰ پیمانے پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ بڑے بڑے عالم اس مدرسہ میں درس و تدریس کے لیے مقرر کیے۔ وہ خود سو سے زیادہ طلبہ کو درس دیتے تھے۔ مدرسہ کے ساتھ ہی ایک لنگر خانہ تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھن سے شیدانی تشریف لے گئے تو وہاں بھی مدارس قائم کیے اور طلبہ و اساتذہ کے لیے لنگر کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ [۲]

خواجہ گل محمد احمد پوری نے قاضی محمد عاقل کے لنگر خانہ کے متعلق لکھا ہے:

حضرت کا لنگر ابتدائے سلوک سے جاری تھا، بلکہ اس سے پہلے فقراء و طلبہ کے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ اس کے باوجود بعض اوقات پیروں کی سنت کے مطابق تنگی پیش آتی تھی اور آپ بھوکے پیاسے اور فاقہ سے رہتے تھے۔ راقم الحروف کو ایسے وقت آپ کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جب غیب سے کوئی چیز آتی تو روٹی پکتی تھی۔ طلبہ اور درویشوں کی تعداد پانچ سو سے زائد تھی۔ جب تک ان سب کے لیے کھانے کا بندوبست نہ ہوتا، اس وقت تک آپ بھی روٹی کو ہاتھ نہ لگاتے۔ جب فقر و فاقہ کی مدت ختم ہوتی تو ہر قسم کی فتوح آنا شروع ہو جاتیں۔ امراء و وزراء اور سلاطین آپ کی بارگاہ پر سجدہ ریز ہوتے اور آنے والوں اور ان کے کھانے کے لیے کھانا پکنے کی تعداد و مقدار کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دربار

---

[۱] ایضاً، ص ۶۴

[۲] پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، جلد پنجم، ص ۳۰۰۔ تکملہ سیر الاولیاء (فارسی)، ص ۱۴۰

شاہی ہے۔ رب العالمین کی شان کا عجب مظاہرہ ہوتا تھا۔ [1]

ذکر الاصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء میں قیام مدارس اور لنگر خانہ کا ذکر ملتا ہے۔ متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

سلطان الاولیاء (قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ) کو علم درست اور علم وراثت میں کمال حاصل تھا۔ اپنے زمانے میں مشرق سے مغرب تک علم ظاہری میں کوئی ان کے برابر نہ تھا' اصول وفروع میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ جزوی مسائل میں آپ کی یادداشت کا یہ حال تھا کہ بغیر کتاب دیکھے ان کی وضاحت کر دیتے تھے۔ درس وتدریس سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی۔ تدریس کے لیے آپ نے متبحر عالم مقرر کر رکھے تھے۔ جو طلبہ تعلیم پاتے تھے ان کا وظیفہ مقرر تھا اور انہیں کھانا لنگر سے دیا جاتا تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھن سے شیدانی منتقل ہوئے تو دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم کیے اور لنگر بھی دونوں جگہ جاری رکھا۔ طلبہ کو ایک دو سبق خود بھی پڑھاتے تھے۔ [2]

یہاں پر اس حقیقت کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے قاضی احمد علی رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۱۹ شعبان ۱۲۳۱ھ) کو کوٹ مٹھن میں مدرسہ کا انتظام وانصرام سپرد کر دیا تھا۔ قاضی احمد علی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں پڑھاتے بھی تھے۔

قاضی احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں خواجہ گل محمد احمد پوری لکھتے ہیں:

آپ جملہ علوم کے ماہر اور سراپا حلم واخلاص تھے۔ ہر خاص وعام کے ساتھ خلق محمدی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ لباس سادہ پہنتے تھے اور علم جفر میں مہارت حاصل تھی۔ [3]

قاضی احمد علی کے فرزند خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۳ء) تھے جو اپنے دادا قاضی محمد عاقل سے بیعت ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ تیئس سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد زینت آرائے مسند فخریہ ہوئے۔ آپ کے لنگر کا بہت شہرہ

---

[1] گل محمد احمد پوری' ذکر الاصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء (فارسی)' مطبع رضوی' دہلی' ۱۳۱۲ھ' ص ۱۴۹۔ ذکر الاصفیا معروف تکملہ سیر الاولیاء' ترجمہ مسعود حسن شہاب' اُردو اکیڈمی' بہاول پور' ۱۹۸۷ء' ص ۱۶۹۔ تاریخ مشائخ چشت' جلد پنجم' ص ۳۰۵

[2] ایضاً' ص ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ذکر الاصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء' (اُردو ترجمہ)' ص ۱۶۲

[3] ایضاً' ص ۱۵۳۔ ایضاً' (اُردو ترجمہ)' ص ۱۷۴

ہوا۔ ''مناقب فریدی'' میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہی روایت ہے جو قاضی محمد عاقل سے چلی اور ان کے پوتے تک پہنچی۔

مناقب فریدی سے اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

......جس قدر مساکین وطالب خدا ودنیا زیادہ آتے بہت خوش ہوتے۔ سب کو لنگر سے مکلف کھانا پلاؤ وزردہ' نان وقورما اور دودھ اور مصری ملتا تھا۔ ان لوگوں کے واسطے طبیب ملازم تھا' دواخانہ تیار رہتا تھا' جو کوئی بیمار ہوتا فوراً اس کا تدارک کیا جاتا اور بنفس نفیس خود تشریف لا کر اس مسافر کی عیادت فرماتے' خدام اور ملازمان کو اس کے لیے تاکید فرماتے کہ اس کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو۔ رئیس اور زمیندار اس قدر زیارت کے لیے آتے تھے کہ بارہ بارہ من دانہ روزمرہ گھوڑوں کے صرف میں آ جاتا تھا' سینکڑوں کو روزینہ وماہواری (ماہانہ) وسالانہ مقرر تھا اور روزانہ باورچی خانہ کا صرف بے مقدار تھا اور جو طالب زر آتے' ہزاروں لے کر جاتے......۔ [1]

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب مناقب سلیمانیہ میں لکھا ہے کہ قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو متعدد وصیتیں کی تھیں ان میں سے بارہ کا ذکر صاحب انتخاب مناقب سلیمانیہ نے کیا۔ [2]

ان میں سے دو کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) اپنی والدہ شریفہ کو خود پر ہر لحاظ سے راضی وخوش رکھنا۔

(۲) پہاڑی علاقہ سے نیچے اتر کر میدانی علاقہ میں آ کر اقامت اختیار کرنا تا کہ دور ونزدیک کے لوگ نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ آپ سے فیض یاب ہو سکیں۔ [3]

جناب فخر الالیاء قدس سرہٗ (خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے پیر ومرشد کی ان وصیتوں کو حرز جان بنایا اور پوری زندگی میں ان پر سختی اور پابندی سے عمل پیرا رہے۔ صاحب

---

[1] مناقب فریدی' ص ۷۵

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: انتخاب مناقب سلیمانیہ' ص ۷۳۔ ۷۴۔ منتخب المناقب (اُردو ترجمہ)' ص ۱۷۰۔ ۱۷۲

[3] ایضاً' ص ۷۴۔ ایضاً' ص ۱۷۱

مناقب شریفہ لکھتے ہیں کہ حضرت فخر الاولیاء قدس سرہٗ آٹھ سال تک پہاڑی علاقہ میں حصولِ خلافت کے بعد رہائش پذیر رہے اور صرف والدہ شریفہ کو راضی رکھنے کی وجہ سے تھا کیوں کہ یہ بھی شیخ و مرشد کی وصیت میں شامل تھا۔ [۱]

اس تحریر کے حوالے سے خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ آٹھ سال تک کوہ درگ (گڑ گوجی) میں رہائش پذیر رہے اور وہاں طریق سلوک کی راہنمائی کرتے رہے۔ وہاں آپ نے لنگر بھی جاری کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ ان کے لنگر کی فراخی کے لیے دعا گو رہیں اور ایک سوال پر انہوں نے بتایا کہ ان کی ترقی دارین اور لنگر وغیرہ کے متعلق ان کی ولادت سے پہلے ہی بشارت ملی تھی۔ [۲]

مؤلف ''انتخابِ مناقب سلیمانیہ'' نے کوہِ درگ (گڑ گوجی) کی رہائش کے دوران ایک واقعہ لکھا ہے۔ اس کے راوی میاں یار محمد سوکڑی ہیں۔ اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

مؤلف کہتا ہے کہ میاں یار محمد سوکڑی جو حضرت فخر الاولیاء قدس سرہٗ کے پرانے مخلص اور ہم صحبتوں میں سے ہیں کہ جب فخر الاولیاء نے حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد چند سال کوہ درگ میں جو کہ فخر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی جائے ولادت اور آبائے کرام کی جائے سکونت ہے اور وہاں ان کی ملکیتی زمینیں ہیں' تو اول ایام میں آپ وہیں رہتے تھے۔ بندہ یعنی یار محمد مذکور جو کہ فخر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے قدیمی دامن گیروں میں سے تھا' قدم بوسی اور شرف زیارت کے لیے وہاں حاضر ہوا اور چند دن وہیں قیام کیا۔ اسی وجہ سے میں وہاں کے حالات سے واقف ہو چکا تھا۔ نیز گھر کے بعض کاموں کے لیے بندہ کو حکم فرمایا کرتے تھے۔ لنگر شریف (ڈیوڑھی) کے کام ان دنوں آپ کی والدہ ماجدہ اپنے ہاتھ سے فرمایا کرتی تھیں۔ بندہ لنگر شریف سے بعض فقراء، غرباء اور مہمانوں کے لیے کھانا لایا کرتا تھا۔ گھر کے کاموں میں نسوار لانا اور دیگر امور بھی سرانجام دیتا تھا۔ ایک دن جب میں ڈیوڑھی شریف پر گیا' اتفاق سے مائی صاحبہ نے کوئی چیز پڑھی اور دعا طلب کی۔ بندہ کو جب انہوں نے دیکھا تو فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس فرزند ارجمند کا لنگر زیادہ سے زیادہ ہوتا جائے گا۔ بندہ نے عرض کی کہ اے مائی صاحبہ! کیا آپ آج اس کے لیے دعا فرما رہی ہیں؟ مائی صاحبہ نے جواب دیا کہ ہمیں تو ان کی ترقی

[۱] ایضاً' ص ۴۷۔ ایضاً' ص ۱۷۱۔۱۷۲

[۲] ایضاً' ص ۴۔ ایضاً' ص ۲۵۔۲۶

دارین اور لنگر وغیرہ کے متعلق ان کی ولادت سے پہلے ہی بشارت ملی تھی۔ بندہ نے عرض کی: وہ کیسے؟ فرمایا کہ اس مدت کے دوران جب کہ یہ آفتاب جہانتاب ابھی برج محل میں شرف اندوز تھے تو اس ضمن میں دو امور کی بشارت ظہور پذیر ہوئی' ایک حالتِ بیداری میں اور دوسری حالت خواب میں۔ [۱]

یار محمد بن تاج محمد نے ''انتخاب مناقب سلیمانیہ'' میں لنگر کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اس میں درج بیان میں مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ' خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ سلیمان تونسوی کے لنگر کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت فخر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ہر زمانے کا فرق بیان کیا اور اپنے لنگر کے انتظام کو اس طرح بیان کیا:

......اور اب ہمارے وقت کا حال یہ ہے کہ اس زمانہ میں دونوں وقت کی روٹی دیتے ہیں' کپڑے اور جوتے ہر ایک کو کیا طالب علم اور کیا عابد شب بیدار اور کیا دوسرے لوگ' سب کو ان کی صلاحیت کے مطابق ہم انہیں دے دیتے ہیں اور اگر کسی کو تھوڑی بہت تکلیف' بیماری وغیرہ ہوتی ہے اور یا کوئی مرض وغیرہ ظاہر ہو جاتا ہے تو حکیم کو کہہ کر علاج معالجہ کراتے ہیں اور دکاندار کو رقم ادا کر کے دوا لیتے ہیں۔ باوجود ان سب کچھ کے ہم سے جاتے وقت اجازت بھی نہیں لیتے اور غائبانہ چلے جاتے ہیں' یہ سب زمانہ کے اثرات ہیں۔ [۲]

ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی نے بھی فخر الاولیاء کے بارے میں لکھا ہے اور اپنی تحریر میں ''مناقب سلیمانی'' کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ان کا اقتباس ذیل میں درج ذیل کیا جاتا ہے:

زائرین' طالبین' علماء اور طلبہ کے لیے آپ نے ایک وسیع لنگر خانہ قائم کیا جس میں ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔ لنگر خانہ کے انتظام کے لیے ایک پورا محکمہ تھا اور اس کو چلانے والے لوگ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے اور انتظام ایسا عمدہ تھا کہ کسی کو کوئی تکلیف یا احتیاج باقی نہ رہتی تھی۔ حتیٰ کہ علاج معالجہ کے لیے طبیب مقرر تھا۔

مؤلف ''مناقب سلیمانی'' لکھتے ہیں:

چنداں خرچ و اصراف لنگر شریف است کہ از حد حصر بیرون' چہ بہ ہر دو دو وقت و در بعض

[۱] ایضاً' ص ۳۔۴۔ ایضاً' ص ۲۵۔۲۶

[۲] ایضاً' ص ۱۵۹۔ ایضاً' ص ۳۸۷۔۳۸۸

ایام برای دو دو ہزار مردم پختہ طعام می شود۔

یعنی لنگر شریف کا اتنا خرچہ ہے کہ جو شمار سے باہر ہے۔ دونوں وقت بعض اوقات دو دو ہزار آدمیوں کے لیے کھانا پکتا ہے۔ [1]

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے خواجہ تونسوی ؒ کے لنگر خانہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اس بحث میں انہوں نے خاتم سلیمانی کے حوالے دیے ہیں۔ اس سے دہلی اور پنجاب کے لنگر کی روایت کا تقابلی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ لنگر کے ادارہ کو جو ترقی ہوئی' اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور اس ادارہ کی وسعت اور ترقی کی بے نظیر مثال سامنے آتی ہے۔

پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

شاہ محمد سلیمان تونسوی ؒ کا لنگر بہت وسیع اور با قاعدہ تھا' کھانے کے علاوہ درویشوں اور طلبہ کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔ لنگر کے اہتمام کے لئے پورا ایک محکمہ تھا۔ پیارا نامی بنیا مودی مقرر کیا گیا تھا۔ میاں علی محمد ہوتانی لانگری تھے۔ مستوفی حساب برخوردار خاں چاکی تھے۔ نور خاں گرمانی' وکیل اور صلاح کار کا کام انجام دیتے تھے۔ منشی گری کا عہدہ صدیق محمد کا بی کو ملا تھا۔ یہ پورا محکمہ لنگر کا انتظام کرتا تھا۔ [2]

پروفیسر نظامی لنگر کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لنگر میں کھانے کے علاوہ ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔ حجام' لوہار' موچی' دھوبی' آب کش وغیرہ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے اور وہاں موجود رہتے تھے اور بقول مصنف خاتم سلیمانی درویشوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور احتیاج باقی نہ رہی تھی۔ [3]

بیمار ہوتے تو دوائیں لنگر سے مفت ملتی تھیں۔ مودی کو حکم تھا کہ جو شخص نسخہ لائے' بغیر پوچھے اس کو دوا دے دی جائے۔ ایک مرتبہ خدا بخش نے عرض کیا: غریب نواز! اس مہینہ میں

---

[1] ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی' حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ اور ان کے خلفاء' اسلامک بک فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۹۷۹ء' ص ۱۳۹

[2] تاریخ مشائخ چشت' جلد پنجم' ص ۳۴۴۔ اللہ بخش خان' خاتم سلیمانی' مطبع خادم التعلیم پریس' لاہور' ۱۳۲۵ھ' ص ۶۶

[3] ایضاً' جلد پنجم' ص ۳۴۵۔ خاتم سلیمانی' ص ۶۶

مودی نے پانچ سو روپیہ درویشوں کی دواؤں کے سلسلے میں درج کیا ہے۔ آپ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔ فرمایا: اگر پانچ ہزار بھی دوا پر خرچ ہو تو مجھے اطلاع نہ کی جائے۔ کیا درویشوں کی جان کے مقابلہ میں روپیہ کی کچھ حقیقت ہے۔ [1]

لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا تھا۔ ان مدرسین کے لیے جو رات دن درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے' ان کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی تھیں۔ ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا' اس لیے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ' سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے ہی میں ملتا تھا ایک سفید لنگی اور گوسفند بھی عطا ہوتا تھا۔ [2]

خواجہ صاحب ؒ کے لنگر کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس لنگر میں زیادہ تر علماء و مدرسین شامل تھے۔ خواجہ صاحب ؒ ان کو تمام ضروریاتِ زندگی سے بے فکر کر کے پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ درس و تدریس کے کام کے لائق بنا دیا تھا۔ علماء کی ایک کثیر تعداد اس طرح دینی کام کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔ [3]

ویسے تو اس زمانہ میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر قائم تھے اور سینکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا مثلاً دہلی میں شاہ غلام علی صاحب ؒ کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا۔ خواجہ محمد عاقل ؒ کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا۔ لیکن جو با قاعدگی اور جو مقصد شاہ محمد سلیمان صاحب ؒ کے لنگری نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔ شاہ محمد سلیمان ؒ کا یہ کل نظام ایک مقصد کے ماتحت تھا۔ وہ اس طرح کی سہولتیں بہم پہنچا کر علماء کو درس و تدریس اور مشائخ کو تبلیغ و اصلاح کے لیے تیار کرتے تھے۔ شائقین علم و فضل جگہ جگہ سے تونسہ آ کر جمع ہو جاتے تھے اور شاہ صاحب ؒ ان کی صلاحیتوں کو کارآمد بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ [4]

---

[1] ایضاً' جلد پنجم' ص ۳۴۵۔ ایضاً' ص ۶۶

[2] ایضاً' جلد پنجم' ص ۳۴۵۔ ایضاً' ص ۶۶

[3] ایضاً' جلد پنجم' ص ۳۴۵

[4] ایضاً' جلد پنجم' ص ۳۴۶

حاجی نجم الدین سلیمانی نے لنگر کی تفاصیل کو ''مناقب المحبوبین'' میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انہوں نے خاتم سلیمانی میں جو تفصیل دی گئی ہے' اس پر اضافہ کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔ حاجی صاحب کے بیان میں مزید معلومات دے کر لنگر خانہ کی وسعت کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں وہ اقتباسات دیئے جاتے ہیں جن میں ہمیں اضافہ نظر آتا ہے۔

..... لانگری کے عہدہ پر پہلے محمود صاحب کو مقرر فرمایا۔ اس کے بعد مقبول صاحب کو لانگری مقرر کیا اور اس کے بعد خدا بخش صاحب لانگری مقرر ہوئے۔ منقول ہے کہ ایک دن خدا بخش لانگری نے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا اس ماہ سات سو روپے فقراء کی ادویہ پر خرچ ہو گیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے خیرہ چشم حیا نہیں ہے کہ درویشوں کی جان کے نقصان پر اپنے منہ کو پراگندہ کرتا ہے اور کھولتا ہے' اٹھو اور دور ہو جاؤ۔ اگر ایک ماہ میں سات ہزار روپے بھی خرچ ہو جائیں تو مجھے اطلاع نہ دی جائے۔ نیز حجام کو حکم تھا کہ فقراء کی حجامت کو پندرہ دن سے زائد نہ ہوں اور خود حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی جمعرات کو پندرھویں دن حجامت بنواتے تھے۔ منقول ہے کہ جب علی محمد ہوتانی مذکور فوت ہوئے تو قرض داروں نے اس کے بیٹے کے ساتھ تقاضا کیا۔ اس نے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جو علی محمد کا قرض مانگتا ہے' لنگر کے مودی کے پاس جائے اور لکھا دے۔ کل ایک سو اسی روپے بنے۔ مودی کو بلایا اور فرمایا کہ اس کا قرض ادا کر دیں۔ [1]

خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مخزن چشت میں غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

آپ کا لنگر اس قدر عام تھا کہ روزانہ تین چار سو علماء و صلحاء آپ کی خدمت میں آتے اور اس لنگر سے کھانا کھاتے۔ عام لوگوں کی تعداد جو اس لنگر سے روزانہ مستفیض ہوتی' وہ اس پر مستزاد تھی۔ لنگر کے اس کھانے کے علاوہ جب بچے' محتاج اور غرباء واپس جاتے وقت آپ سے رخصت طلب کرتے تو آپ انہیں نقدی کی شکل میں بھی کچھ عطا فرماتے۔ آپ کا حلقۂ مریدان

[1] لنگر کی تفصیل کے لیے دیکھیے: حاجی نجم الدین سلیمانی' مناقب المحبوبین' ص ۱۸۶ - ۱۸۷۔ مناقب المحبوبین' مکمل اُردو ترجمہ' ص ۳۵۲ - ۳۵۴

خراسان تک پھیلا ہوا تھا۔ [1]

تصوف کے جدید عالمانہ لٹریچر میں یادداشت اور یاد آوری (Memory and Remembrance) کا تصور معروف ہے۔ اس کے مطابق خلفاء اپنے مشائخ کو یاد رکھتے ہیں اور ان کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں یادداشت اور یاد آوری کے تصور کے مظاہر ہمیں کثرت کے ساتھ ملتے ہیں۔ خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کو کثرت کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ نافع السالکین سے ذیل میں دو واقعات درج کیے جاتے ہیں جن کا تعلق قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آوری اور لنگر کے ساتھ بھی ہے:

حضرت قبلہ قدس سرہٗ (خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ) کا دستور تھا کہ کسی کو کوئی مشکل پیش آتی تو اُسے فرماتے کہ قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے ایصالِ ثواب کے واسطے ایک گائے ذبح کر کے خیرات کروا اور اگر گائے موجود نہ ہوتی تو اُسے فرماتے کہ گائے کی قیمت پانچ چھ روپیہ ادا کرو تا کہ کہیں سے خرید کر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ شریف میں ذبح کی جاوے (اور خانقاہ کے فقراء و مساکین میں گوشت بطور خیرات تقسیم کیا جاوے)۔ اس طرح جس کو کوئی مشکل پیش آتی (بحکم خدا اور بوسیلۂ مشائخ عظام) پوری ہوتی۔ چنانچہ ایک روز حضرت قبلہ قدس سرہٗ کی خدمت میں مولوی علی محمد صاحب سوکڑی کی لڑکی آئی اور بڑی عاجزی اور زاری کے بعد عرض کیا کہ میرے والد قریب المرگ ہیں اور زندگی کی تھوڑی سی رمق ان میں باقی ہے۔ دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ انہیں صحت اور حیاتی بخشیں۔ آپ نے دعا فرمائی اور فرمایا کہ ایک گائے حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ایصالِ ثواب کے لیے خیرات کی جاوے۔ حق تعالیٰ مولوی علی محمد صاحب سوکڑی کو شفا نصیب فرمائیں گے۔ جب مولوی صاحب مذکور کو حق تعالیٰ کے حکم سے شفا نصیب ہوئی تو بسبب اس کے کہ حضرت قبلہ کو علماء کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ آپ نے خیرات کے واسطے اپنے پاس سے گائے دی اور مولوی صاحب مذکور نے اقرار کیا کہ اس روز میرے بدن میں صرف ناف سے لے کر پاؤں تک جان باقی تھی۔ [2]

[1] مخزن چشت' مخطوطہ چشتیاں شریف' ص ۴۰۶۔ مخزن چشت' مکمل اُردو ترجمہ' ص ۴۰۹

[2] نافع السالکین' ص ۸۵۔ نافع السالکین (اُردو ترجمہ)' ص ۲۰۱

عرس کے انعقاد اور لنگر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا عرس اپنے آبائی وطن کوہ درگ میں کیا تھا۔ نافع السالکین میں اس کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

ایک رات (خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا عرس اپنے وطن کوہ درگ میں کیا تھا۔ سولہ دنبے پانچ پانچ روپیہ میں خرید کر ذبح کیے گئے اور جب پکائے گئے تو ایک ایک دنبہ سو سو پہاڑی آدمیوں کو دیا گیا' کیوں کہ ہندوستانی سو آدمی ایک دنبہ نہیں کھا سکتے تھے۔ اس لیے کہ بہت فربہ تھے' اس قدر فربہ تھے کہ چل نہیں سکتے تھے' چار پایوں پر لاد کر ان کو لایا گیا۔ اس کے بعد کے تمام اعراس تقریباً پچاس سال یا اس سے بھی زائد مدت میں ہم نے خانقاہ شریف میں کیے۔ نیز فرمایا کہ صحرائے بورہ کے علاقہ میں گوسفندوں کی بہت قیمت ہوتی ہے' چنانچہ ایک دنبہ بارہ بارہ روپیہ میں فروخت ہوتا ہے۔ [1]

❋ ❋ ❋ ❋

[1] ایضاً' ص ۱۴۰۔ نافع السالکین (اُردو ترجمہ)' ص ۳۲۹

فہرست مصادر و منابع
(Bibliography)

(۱) احمد اختر' مرزا (خلف اکبر محمد دارا بخت میران شاہ)۔ مناقب فریدی۔ دہلی: مطبع احمدی' ۱۳۱۴ھ۔

(۲) اللہ بخش رضا (مترجم و مرتب) ''عرض مترجم و اظہار احوال''، مشمولہ تذکرۂ جمال۔ ملتان: مترجم' ۲۰۰۶ء۔

(۳) امام بخش مہاروی۔ گلشن ابرار مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر ملکیہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی۔

حدیقۃ الاخیار' ترجمہ گلشن ابرار' ترجمہ صالح محمد صالح ادیب تونسوی۔ ملتان: مطبع صدیقیہ' ۱۹۵۰ء۔

مخزن چشت۔ مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر' ملکیہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی۔

مخزن چشت' مکمل اُردو ترجمہ از پروفیسر افتخار احمد چشتی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی' ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء۔

(۴) امام الدین۔ نافع السالکین' ملفوظات شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ۔ دہلی: مطبع مرتضوی' ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء۔

تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ' اُردو ترجمہ نافع السالکین' خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات' ملفوظات کا گراں قدر مجموعہ' ترجمہ از صاحبزادہ محمد حسین للّٰہی۔ لاہور: شعاع ادب' ۱۹۶۱ء۔

(۵) خلیق احمد نظامی' پروفیسر۔ تاریخ مشائخ چشت۔ دہلی: ادارہ ادبیات دلی' ۱۹۸۴ء (جلد پنجم)

(۶) عبدالقدوس ہاشمی (مرتب) تقویم تاریخی (قاموس تاریخی)۔ اسلام آباد: ادارۂ

تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۷ء۔

(۷) عزیز، محمد عزیز الرحمٰن۔ صبح صادق۔ بہاولپور: عزیز المطابع، ۱۹۴۳ء۔

(۸) غلام حسن شہید ملتانی، منشی۔ انوارِ جمالیہ (مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر، ملکیہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی)
انوار جمالیہ، ترجمہ از اللہ بخش رضا، مشمولہ تذکرہ جمال۔ ملتان: مترجم، ۲۰۰۶ء۔

(۹) گل محمد احمد پوری۔ ذکر الاصفیا فی تکملہ سیر الاولیاء۔ دہلی: مطبع رضوی، ۱۳۱۲ھ۔
ذکر الاصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء، ترجمہ از مسعود حسن شہاب۔ بہاول پور: اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء۔

(۱۰) محمد حسین للّٰہی، ڈاکٹر۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء۔ لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۹ء۔

(۱۱) محمد زاہد شاہ، سید۔ اسرار الکمالیہ (مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر، ملکیہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی)
اسرارء الکمالیہ (اُردو ترجمہ) مشمولہ تذکرہ جمال، ترجمہ از اللہ بخش رضا۔ ملتان: مکتبۃ الجمال، ۲۰۰۶ء۔

(۱۲) نجم الدین سلیمانی۔ مناقب المحبوبین۔ لاہور: مطبع محمدی، ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء۔
مناقب المحبوبین، تذکرہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، مکمل اُردو ترجمہ از افتخار احمد چشتی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء۔

(۱۳) واحد بخش سیال۔ مقدمہ سِرِ دلبراں، ترجمہ از واحد بخش سیال۔ بہاولپور: صوفی فاؤنڈیشن، ۱۴۰۰ھ۔

(۱۴) یار محمد بن تاج محمد۔ انتخابِ مناقب سلیمانیہ۔ لاہور: حمیدیہ سٹیم پریس، ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء۔
منتخب المناقب (اُردو ترجمہ)، ترجمہ از اللہ بخش رضا۔ ملتان: ملک محمد رفیق کھر، س۔ن

(۱۵) Riazul Islam. Sufisim In South Asia, Impact on Fourteenth Century Muslim Society. Karachi: Oxford University Press, 2003.

منشی غلام حسن شہید (۱۷۸۲ء-۱۸۴۵ء) بحیثیت صوفی، عالم اور شاعر

مدینۃ الاولیاء ملتان میں تیرھویں صدی ہجری کے نہایت اہم اور سر برآوردہ صوفیہ میں ایک نام منشی غلام حسن شہید (م۱۸۴۵ء) کا ہے جو حافظ محمد جمال ملتانی (م۱۱۲۶ھ/۱۸۱۱ء) اور خواجہ خدا بخش (م۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۴ء) کے نامور خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔[۱] (آپ کا نام غلام حسن تھا)۔ آپ کے والد کا نام منشی جان محمد اور دادا کا نام منشی عاقل محمد تھا، جن کا تعلق ذات ملنہاس قوم راجپوت سے تھا۔[۲] غلام حسن شہید ۱۲۰۲ھ/ ۱۷۸۲ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش اس شعر سے نکلتی ہے:

سالِ تولیدش زخاصیت ملائک آمدست
ہم نظارہ ماہ قلیدے خلافت سعید شد [۳]

منشی غلام حسن شہید نے اپنے شیخ حافظ محمد جمال (م۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء) سے علوم ظاہری اور علوم باطنی میں تربیت حاصل کی حافظ محمد جمال حضرت نور محمد مہاروی (م۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء) کے بڑے خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار چشتیاں شریف میں ہے۔ حافظ صاحب خود بھی شاعر تھے۔ ان کی سی حرفی بعنوان: نور جمال (۱۹۷۴ء) معروف ہے۔ یہ سرائیکی زبان میں ہے۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ "Dr. C. Shackle" نے کیا جس کو بزم ثقافت، ملتان نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔ حافظ صاحب کا مدفن ملتان میں ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حافظ محمد جمال ملتانی کے جن خلفاء کے نام دیے ہیں، ان میں

---

[۱] ڈاکٹر روبینہ ترین، ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ، بیکن بکس، ملتان، ۱۹۸۹ء، ص ۳۴۷

[۲] ایضاً، ص ۳۴۸

[۳] ایضاً، ص ۳۴۸

مولوی غلام حسن کا نام بھی شامل ہے۔ نظامی صاحب کے مطابق حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خلفاء کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا خدا بخش ملتانی (۲) زاہد شاہ (صاحب رسالہ اسرار الکمالیہ)، (۳) مولوی غلام حسن (منشی غلام حسن ملتانی شہید)، (۴) قاضی عیسیٰ خان پوری (۵) مولوی عبیداللہ ملتانی (۶) مولوی حامد (۷) صاحبزادہ غلام فرید (۸) مولوی عبدالعزیز بڑھیاروی (پرہاروی، مصنف کتب کثیرہ)۔ [۱]

علامہ محمد اعظم سعیدی (مترجم انوار جمالیہ) انوار جمالیہ کے ترجمہ کے ابتدائیہ میں حضرت منشی غلام حسن شہید کے متعلق لکھتے ہیں:

آپ کو اپنے مرشد سے غایت درجہ کی محبت تھی اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظر عنایت اور فیضانِ خاص سے ان کو راہِ سلوک کی تمام منازل طے کرا دیں اور اپنا خلیفۂ اعظم بنایا۔ آپ حد درجہ کے خوش نویس تھے۔ دیوان ساون مل اور دیوان مولراج کے میر منشی تھے۔ عربی و فارسی پر عالمانہ عبور تھا۔ آپ نے عربی، فارسی اور سرائیکی زبانوں میں دو دواوین چھوڑے ہیں۔ نواب مظفر خان والئ ملتان نے تمام تعمیرات کے قطعاتِ تاریخ آپ سے لکھوائے۔ اسی طرح سکھوں کی عملداری میں دیوان مولراج نے سکھ عبادت گاہ جوگ مایہ کی تاریخ بھی آپ سے لکھوائی۔ [۲]

ڈاکٹر روبینہ ترین اس وقت کے سیاسی حالات اور منشی صاحب کی شہادت کے متعلق لکھتی ہیں:

غلام حسن شہید نے نواب مظفر خان شہید (م ۱۸۱۸ء) کا زمانہ پایا ہے جو کہ اٹھارویں صدی عیسوی کا آخر اور انیسویں صدی عیسوی کا آغاز ہے۔ یہ زمانہ سیاسی اعتبار سے انتشار اور بدامنی کا دور ہے۔ ملتان میں نواب مظفر خان شہید حکومت کرتے تھے جب کہ پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی طاقت کے بل بوتے پر مختلف علاقوں میں قبضے کی خاطر مسلسل کارروائیاں کر رہا تھا۔ چنانچہ ملتان کا زرخیز خطہ بھی اس کی نظر میں تھا۔ آخر کار ۱۸۱۸ء میں اس

[۱] پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ادارہ ادبیات دلی، دہلی، ۱۹۸۴ء، جلد پنجم، ص ۳۲۵
[۲] عبدالعزیز پرہاروی، انوار جمالیہ، مترجم علامہ محمد اعظم سعیدی، سرائیکی اُردو رائٹرز گلڈ، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۰

نے نواب مظفر خان کی شہادت کے بعد ملتان پر اپنی عملداری قائم کر کے دیوان ساون مل کو ملتان کا گورنر بنایا۔ پھر اس کے بعد اس کے بیٹے دیوان مولراج نے یہاں کی گورنری سنبھالی۔ ملتان پر سکھوں کو انگریزوں نے آسانی سے حکومت نہ کرنے دی اور انہوں نے ملتان فتح کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس عہد میں منشی غلام حسن زندہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے انگریز ملتان پر قبضہ نہ جما سکے۔ آخر ایک انگریز سپاہی نے ۲۹ محرم ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۵ء میں آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔ [۱]

منشی صاحب کی شہادت کے بارے میں ڈاکٹر روبینہ ترین بشیر حسین ناظم کی کتاب اولیائے ملتان کے حوالے سے لکھتی ہیں:

ملتان کے ظاہری حکام کا تغیر و تبدل اس وقت عمل میں نہیں آیا کرتا تھا جب تک باطنی حاکم جو حافظ جمال اللہ کے مریدان خاص میں سے ہوتا تھا، وصال نہ کر جاتا۔ انگریزی افواج نے جب ملتان پر حملہ کیا تو فتح یابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کسی طریقہ سے پتہ چلایا گیا کہ شہر فتح نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ جب تک حضرت غلام حسن زندہ ہیں تب تک ظاہری حکومت کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک انگریز نے منشی صاحب کو اپنی بندوق کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔ [۲]

ڈاکٹر روبینہ ترین نے ان کی تیرہ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض مطبوعہ ہیں اور بعض قلمی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی بعض کتب نایاب ہیں۔ دیوان حسن، فارسی شائع ہو چکا ہے۔ [۳]

عمر کمال خاں منشی غلام حسن شہید اور ان کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ان کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

......سن رشد کو پہنچ کر حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور مرشد کی توجہ سے فیضان معرفت سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت منشی صاحب وحدت الوجودی بزرگ تھے

[۱] ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ، ص ۳۴۹-۳۵۰
[۲] ایضاً، ص ۳۵۰-۳۵۱
[۳] ایضاً، ص ۳۵۱-۳۵۲ (ان صفحات پر کتابوں کی تفصیل موجود ہے)

اور نہایت نغز گو شاعر تھے۔ فارسی، عربی، اُردو، سرائیکی زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے۔ فارسی میں حسنؔ تخلص کرتے تھے۔ دیوان مطبوعہ ہے۔ سرائیکی زبان میں ان کا تخلص گانمن ہے۔ ڈوہرہ جات گانمن زبان زد خاص و عام ہیں اور بعض گزیٹروں میں انگریزوں نے قلمبند کیے ہیں۔ [1]

عمر کمال خان نے نمونہ شعر کے لیے دو فارسی غزلیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے پہلی غزل کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اس میں وحدت الوجود کا مسئلہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے:

شد جلوہ گر جمالِ تو در روئے ہر ہمہ
اے بے ہمہ و لیک نمودار در ہمہ
حق القدوم تو نتوانم ادا نمود
اے آنکہ کردہ درقامت ترک سرہمہ
در ہر کجا کہ می نگرم جلوہ گر توئی
آئینہ رخت شدہ دیوار و در ہمہ
تا دیدہ در نظارۂ حسنت کشودہ اند
از خویش چشم بستہ بقطع نظر ہمہ
شوخی کہ دامن از ہمہ برچیدہ اے حسنؔ
چوں نیک دیدہ ایم گزر کردہ در ہمہ [2]

منشی صاحب نے نعت گوئی بھی کی ہے۔ دیوان حسن (قلمی) میں نعتیں موجود ہیں۔ درج ذیل نعت میں سید الانبیاء ﷺ کی توصیف عشقِ حقیقی کے حوالے سے کی ہے۔ فارسی نعت گوئی کی بہت سادہ اور سہل انداز لیے ہوئے ہے۔

محمد روح عشق و جان عشق است
چگویم جان کہ جانانِ عشق است
محمد ذر دریائی حقیقت
محمد گوہری از کانِ عشق است

[1] عمر کمال خان، نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد، فاروقی کتب خانہ، ملتان، ۱۹۷۸ء، ص ۲۹۷
[2] ایضاً، ص ۲۹۷۔۲۹۸

محمد مخزنِ فیض وجود است
محمد مطلعِ دیوانِ عشق است
در آ در حلقۂ رندان کہ دروی
محمد ساقی مستان عشق است
محمد قبلۂ دل کعبۂ جان
محمد دین وہم ایمان عشق است [1]

منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخطوطہ بعنوان مطلع انوار جمالیہ کے شروع میں مقدمہ در نعت نبوی ﷺ کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔ اس میں سولہ نعتیں ہیں جو منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کہی ہوئی ہیں۔ یہ بطریق مولود شریف ہیں۔ اس میں سے دو نعتیں ذیل میں دی جاتی ہیں۔ پہلی نعت میں حضور ﷺ کے کمال و جمال، آپ ﷺ کی بے مثال ذات، خیال محمدی اور ذوقِ وصال کے مضامین کو باندھا گیا ہے:

تا جلوہ کرد حسن کمالِ محمدی
پر نور شد جہان زجمالِ محمدی
آن ذاتِ بے مثال کہ پنہاں بہ پردہ بود
بی پردہ شد عیان بمثال محمدی
مرغِ دلم کہ طائر قدس آشیانہ بود
شد دام و دانہ اش خط و خیالِ محمدی
نقش و نگار ہر دو جہان زیاد رفت
آن دل کہ بست نقش خیال محمدی
ہرگز نمیرد این دِل غم دیدۂ حسنؔ
تا زندہ شد ز ذوقِ وصالِ محمدی [2]

[1] دیوان حسن، ص ۲۲، مخطوطہ مملوکہ حاجی اعجاز الحق قریشی، سجادہ نشین درگاہ منشی غلام حسن شہید، دہلی گیٹ، محلہ آغاز پورہ، ملتان (اس مخطوطہ کی عکس نقل راقم کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے)
[2] مطلعِ انوار جمالیہ (مخطوطہ) از منشی غلام حسن شہید، ص ۳۔۴ (یہ مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر میں موجود ہے۔ یہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی کی ملکیت میں ہے۔ اس کی عکسی نقل میرے پاس موجود ہے)۔

وایضاً لہٗ

من عاشقِ جمال لقائی محمدم
پروانۂ فروغ ضیائی محمدم
لطفِ محمدی ز کجا ترک من کند
چون ترک خویش کردہ برائی محمدم
گر لطف کردکار بجوید رضائی من
نبود عجب کہ محوِ رضائی محمدم
در صورتِ محمدیم ہست آرزو
روزِ جزا لقائی فدائی محمدم
از آفتاب روزِ قیامت حسن چہ باک
چون در پناہِ ظلِ لوائی محمدم [1]

اس نعت میں بھی شاعر نے سید المرسلین ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا ہے اور آخری شعر میں کہا کہ قیامت کے روز آفتاب کی گرمی کا مجھے کوئی خوف نہیں' اس لیے کہ میں لوائے محمد ﷺ کے سایہ کی پناہ میں ہوں گا۔

دیوانِ حسن میں واقعہ کربلا کے متعلق بھی مرثیہ امامین شریفین بصنعت مربع شامل ہے۔ اس میں امام حسین علیہ السلام پر جو مظالم ڈھائے گئے' ان کا بیان ملتا ہے۔ شہادت کے بعد جو آثار نمودار ہوئے ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ روبینہ ترین نے بھی اس مرثیہ کے اشعار کا ذکر کیا ہے۔ [2]

در ماتمِ حسین کہ ارض و سما گریست
ماہی در آب و مرغ باوج ہوا گریست
تنہا نہ امت از غمِ آل عا گریست
ہم مرتضیٰ فغان زد وہم مصطفیٰ گریست [3]

---

[1] ایضاً' ص ۶
[2] تفصیل کے لئے دیکھئے: ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ' ص ۳۶۷
[3] دیوان حسن (مخطوطہ)' ص ۱۰۰

یعنی امام حسین علیہ السلام کے ماتم میں زمین وآسمان روئے۔ مچھلیاں پانی میں اور پرندے ہوا کی بلندی میں روئے۔ صرف امت ہی آل عبا کے غم میں نہیں روئی۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام نے بھی آہ بھری اور حضرت محمد مصطفیٰ بھی روئے۔

میدانِ خاک تیرہ شد و آسمان گریست
آن دودِ آہ ابر شد و جا بجا گریست [1]

(آپؓ کی شہادت سے) میدان خاک تاریک ہوگیا اور آسمان رویا۔ آہ و فغاں کے دھوئیں نے بادل کی صورت اختیار کر لی اور وہ جگہ جگہ رویا۔

دیوان حسن میں ایک اور مرثیہ بھی ملتا ہے۔ یہ اُردو میں ہے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں:

پہلے مرثیے کی نسبت یہ مرثیہ فنی لحاظ سے زیادہ پختہ اور مہارت کا نمونہ ہے۔ اس میں خالصتاً اُردو ڈکشن کا استعمال ہے۔ سادگی کے ساتھ حسن بھی ہے۔ چھوٹی بحر ہے لیکن پر اثر اور شدت احساس کی حامل۔ مرثیے میں اہل بیتؓ پر کوفیوں اور شامیوں کے ظلم وستم پر اظہارِ افسوس ہے اور مظلومین کربلا کی بے بسی اور بے چارگی کا بیان جذبات کی شدت کے ساتھ کیا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام ہی میں نہیں تاریخ عالم میں بھی ایک ایسے المیے کی حیثیت رکھتا ہے جس کی مثال ایثار وقربانی اور خیر وشر کی کسی آویزش کی کسی داستان میں نہیں ملتی۔ [2]

اس بند میں پانی کی نایابی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یا رسول اللہ قدم رنجہ کرو
حال فرزندوں کا دیکھو روبرو
ہاتھ سے اپنے ذرا پانی دیو
شاہ بہت پیاسا پڑا ہے ہائے ہا [3]

---

[1] ایضاً' ص ۱۰۰
[2] ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ' ص ۳۸۷
[3] دیوان حسن (مخطوطہ)' ص ۱۱۹ (مخطوطہ کے آخری حصے میں کسی نے صفحہ لگایا ہے)

امام حسین علیہ السلام کے فضائل اور ان کے مصائب کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

جس کو نور العین کہتا تھا رسول
جس کے تائیں لخت جگر کہتی بتول
آج ہے وہ سخت غمگین و ملول
بامصیبت مبتلائے ہائے ہا[۱]

اس مرثیہ کا آخری بند یہ ہے:

اے حسنؔ اس درد کا میں کیا کروں
دل پگھلتا ہے جگر ہوتا ہے خوں
نہیں مجھ میں کہنے کی طاقت کیا کہوں
سخت خونی ماجرا ہے ہائے ہا[۲]

منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرائیکی میں گامنؔ تخلص کرتے ہیں۔ دیوان حسن (مخطوطہ) میں ایسے بہت سے اشعار ہیں جو وحدت الوجود پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک نظم کا عنوان جوگی ہے۔ اس کے پہلے دو شعر یہ ہیں:

اماں نی مینوں دلبر رانجھا
رانجھا سارے جگدا سانجھا
رانجھے دا مینوں وطن پیارا
وحدت جس دی تخت ہزارا[۳]

اسی نظم میں شاعر نے وحدت الوجود کی مزید تشریح کی ہے اور اس میں عربی اشعار بھی ملتے ہیں۔ چند اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

مظہر اوہو تے ظاہر اوہو
اندر اوہو تے باہر اوہو

[۱] ایضاً، ص ۱۲۰ (مخطوطہ کے آخری حصے میں صفحہ شماری میں صفحہ نمبر ۸ لگایا ہے)
[۲] ایضاً، ص ۱۲۰ (ایضاً)
[۳] ایضاً، ص ۱۲۲ (مخطوطہ کے آخر میں صفحہ ۱۲ لکھا ہے)

رانجھا سائیں پاک رسولے
کلمہ جیندی نام قبولے
لیس فی الامکان سواہ
لا الہ الا اللہ
وھو الاول و ھو الآخر
فھو الباطن وھو الظاھر
اوہو خالق تے مخلوقے
اوہو عاشق تے معشوقے
فھو المرئی وھو الناظر
فھو الغائب و ھو الظاھر
آپ سمیع و بصیر علیمے
آپ بشیر و خبیر و کلیم
اوہو پاک جمال الٰہی
لایتغیر لا متناہی
مینوں آکھن کملی جگدی
گامن ڈردی میں آکھ نہ سگدی[۱]

ڈاکٹر روبینہ ترین نے لکھا ہے کہ جہاں کہیں دو چار دوست مل بیٹھتے تو فرمائش کی جاتی کہ گامن سناؤ یعنی دوہے سنائے جائیں۔ اضلاع ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے مقامی ادب کے مجموعے جب انگریزوں نے گزیٹیئر کی صورت میں جمع کیے تو انہوں نے دوہوں کو گامن کہہ کر پکارا۔ سرائیکی اور اُردو شاعری کے موضوعات بھی کم و بیش وہی ہیں جو فارسی کلام کے ہیں یعنی معرفت، حقیقت، عشق اور معاملاتِ عشق، وحدت الوجود، معرفت نفس، حسنِ محبوب کی تعریف و توصیف وغیرہ۔[۲]

[۱] ایضاً، ص ۲۳ (مخطوطہ کے آخر میں صفحہ ۱۳ لکھا ہے)
[۲] ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ، ص ۳۷۳۔ ۳۷۴

ڈاکٹر روبینہ ترین نے اس سلسلے میں مزید لکھا ہے:

فطرت کا حسن دراصل محبوب کے حسن کا پرتو ہے۔ ساری دنیا میں اسی کا روپ عیاں ہے۔ تمام کائنات کا حاصل حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس تھی جس کو خدا نے اپنے پاس بلایا۔ ان کو معراج کی رفعت نصیب ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کو براق پر لے کر گئے۔ اس خدا کی ذات کا عرفان حاصل کیا۔ سب حجاب اتر گئے۔ گویا حضور ﷺ نے گدائی (فقر) میں زندگی کی معراج پائی۔ غزوات میں حضور امیر سپاہ بھی رہے یعنی ایک طرف درویشی ہے اور دوسری طرف سروری۔ حقیقت میں وہ خدا کے حسن کا مظہر ہیں۔ [1]

دیوان حسن (مخطوطہ) میں ان مضامین کا اظہار درج ذیل اشعار میں ملتا ہے:

حضرت عشق دا کرو نظارا
ہر ہر شان میں روپ تمہارا
احمد ہو معراج سدھایا
جبرائیل براق لیایا
آپ کو دیکھا آپ کو پایا
آپ سے آپ حجاب اتارا
کدی گدا کدی شاہ کہاوے
کدی امیر سپاہ کہاوے
کدی جمال اللہ کہاوے
گامن کا وہ میت پیارا [2]

حضرت غلام حسن شہید کا کلام خود ان کی زندگی میں اتنا معروف اور مقبول ہوا کہ مختلف محفلوں میں قوال ان کی کافیاں اور غزلیں گایا کرتے تھے۔ چنانچہ نافع السالکین (ملفوظات خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ) میں ایک گھڑولی درج ہے۔

---

[1] ایضاً، ص ۳۷۴

[2] دیوان حسن (مخطوطہ)، ص ۱۱۳ (مخطوطہ کے آخری حصے میں صفحہ لگایا گیا ہے)

نافع السالکین میں لکھا ہے:

روزے در حضور قبلۂ من ابراہیم خاں سرود کرد (یعنی ایک دن میرے قبلہ کے حضور میں ابراہیم خاں نے (اس کو گایا):

اُچے پپل پینگھاں پیان
سیان رَل مِل جھوٹن گیان
جھوٹے ہیر سیال نی اج پی گھر آیا [1]

آخر میں کہا جا سکتا ہے کہ دیوان حسن (مخطوطہ) میں ان کے فارسی، اُردو اور سرائیکی زبان میں کلام کے نمونے ملتے ہیں۔ اس میں مثنوی کے نمونے بھی شامل ہیں اور غزل کے بھی فارسی اور اُردو میں مراثی بھی شامل ہیں۔ دیگر اصناف سخن میں قطعات تاریخ، قصائد، جوگی، ڈھولا، سی حرفی، کافی، مجرا، ملتانی دوہڑہ جات، کافی راگنی جوگ کے نمونے بھی شامل ہیں۔ یہ زیادہ تر سرائیکی زبان میں ہیں۔ ان میں مقامی تہذیب وثقافت کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کے کلام میں مجاز اور حقیقت کی آمیزش نظر آتی ہے۔ بظاہر مجاز کا رنگ معلوم ہوتا ہے، لیکن دراصل اس میں حقیقت کے معانی بھی پنہاں ہیں۔ ان کے کلام میں صوفیانہ رنگ غالب ہے جس میں وحدت الوجود کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋

---

[1] امام الدین، نافع السالکین، مطبع مرتضوی، دہلی، ۱۸۹۲ء، ص ۱۱۲